ABSTRACT

AN IMPORTANCE OF GUARANTEE IN ISLAMIC SYSTEM OF ECONOMY

Guarantee plays an important role in any system of Economy. It has many implications from business and trade point of view. Most of the systems of the Economy have their own terms and conditions about guarantee Like-wise in Islamic Economic System of guarantee are also very important. Although much have been written about the guarantee but this is not comprehensive. The major objective of present paper is to describe the importance of guarantee in Islamic System of Economy.

There are many kinds of sources of guarantee like personal guarantee, guarantee through evidence as well as documents and guarantee with mortgage. The purpose of all these guarantees is to secure the right. It saves us from fear of refusal. Islam gives us law of 'Shahadah' (evidence). 'Shahadat' (oral testimony), 'Kitabat' (wittiness) 'Iqrar' (acknowledgement) and 'Qas'm' (take oath) are very important for proving any 'da'wa' (claim).

'Shahadah' (evidence of witness) is the foremost source of proof of a claim or right. 'Shahadah' literally meams importance of what one has witnessed or seen or beheld with one's eyes, declaration of what one knows, decisive information. It also means to be present. The word 'Bayya'nah' (evidence) is also used in place of 'Shahadah' (witness) 'Shahadah' is the witness that is given after seeing while 'Bayya'nah' is oral witness. If one explains any matter through knowledge experience and through argumentation or reasoning it is 'Bayya'nah'. It is graded lower than 'Shahadah'. So the argument that is based on knowledge, experience and reasoning is not graded as 'Hujjat-e-Sharie' or 'Shahdah-e-Urfi'. Jurisprudents preferred 'kitabat' (written witness) to 'Shahadah' (oral witness). They hold that writing can be similar so this will not be trusted nor implemented. But in new era many instruments have been invented due to which important of 'writing' has been increased. But the matter of machine writing is considerable.

If 'Khat'(writing), stamp are saved from any kind of doubt, then governmental permission or license, bonds, coat registers, stamp paper, traders register, receipts all these things came under the kind of writing witness. All these documents through writing will be considerable 'Iqrar' (acceptance).

'Nisab-e-Shahadat' (qurum of evidence) in financial matter consists of two men or one man and two women. For 'Shahadah' witness word 'Ash'ha'du' will be used which means that I bear testimony by the name of Allah. In Islam

evidence is upon 'mudda'ee' (claimant) and 'Qas'm' (oath) is upon 'mudda'a'alaih'(defendant) who refuse.

'Ik'rar' is another source of evidence. To confess the right of someone is 'Ik'rar'. For the justification of claim, the most strong argument is the 'Ik'rar' of a Mudda'a'alaih'(defendant).

Regarding the source of justification 'Dha'man' (guarantee) is the main source. There are many types of 'Dha'man'. One is 'Kafalah' (guarantee or responsiblity) and other is 'Rehn' (mortgage).

The 'Dha'man' (guarantee) is for claim of right after bankruptcy while an individual guarantee is very important in debut or loan. In this kind of guarantee all the responsibility goes to guarantor.

"Rehn" (the Mortagage) is very important source of guarantee in these days. Its importance is also admittable from ancient Greek civilization to date Mortagage has new shape and kind in modern banking system.

'Rehn-al-sail' (floating mortgage) has been introduced in Islamic banking system. All type of goods are being taken against the loan. The documents of the property are being given in the possession of Morgagee. The, 'Rehn' is now being used in 'Mu'ra'be'ha', sale on installment and other type of loan are given on guarantee.

اسلام کے معاشی نظام میں گارنٹی کی اہمیت

حافظ عابد محمود☆

جدید مالی نظام میں قرض کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، اسی قرض کی بنا پر حکومتوں اور سول سوسائیٹیوں کا نظام چل رہا ہے، قرض دینے والے اداروں اور افراد کو قرض کی وصولیابی کے لئے توثیق (Guarantee) کی ضرورت پیش آتی ہے، جس کے لئے انہوں نے ایک نظام کے تحت قرض سے متعلق قوانین وضع کئے، اور ان کی روشنی میں قرض کا لین دین کرتے ہیں۔

اسلام کے مالی نظام میں قرض کی وصولیابی کو یقینی بنانے کے لئے متعدد نوعیت کی ضمانتیں لی اور دی جاتی ہیں، ان کو حقوق کے وثائق کہتے ہیں:

وثیقہ کی لغوی تعریف:

معجم لغۃ الفقہاء میں ہے:

"الوثیقۃ :بفتح الواو والقاف وکسر الثاء ج وثائق ، من وثُق (بضم الثاء) الشیء : ثبت وقوی وصار محکما"۔(۱)

یعنی وثیقہ واو اور قاف کی زبر اور ثاء کی زیر کے ساتھ ہے، اس کی جمع وثائق ہے اور "وثُق الشیء" (ثاء کے ضمہ کے ساتھ) کہتے ہیں، جب کوئی شے ثابت اور قوی ہو اور محکم ہو جائے۔

وثیقہ کی اصطلاحی تعریف:

اصطلاح میں وثیقہ وہ شے ہے، جس پر وثوق یا اعتماد کیا جائے، یہ لفظ وثق سے بنا ہے، کہا جاتا ہے: "ظرف صار وثیقا" یعنی، برتن مضبوط ہو گیا۔ اور لفظ وثیق کے معنی پائیدار کے ہیں، پس قرض میں کوئی شے رہن رکھی جائے، تو وہ قرض قابل وثوق ہو جاتا ہے۔(۲)

معجم لغۃ الفقہاء میں ہے: الوثیقۃ : مایوثق بہ..........................Trusty

صک الدین ونحوہ ....Voucher

☆

(۱) معجم لغۃ الفقہاء، الدکتور محمد رواس قلعہ جی، والدکتور، حامد، صادق قنیبی، حرف الواو ص/ ۴۹۹، ط/ بدون تاریخ، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، اشرف منزل، د/ ۴۳۷، کراتشی، باکستان۔

(۲) کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، الامام، عبدالرحمٰن الجزیری، کتاب الرہن ۲/ ۶۴۰، ط/ الثانی ۱۹۷۸ء، شعبہ مطبوعات محکمہ اوقاف پنجاب لاہور۔

المستندات المکتوبة الموثوق بها ......Document۔(۱)

مختار الصحاح میں ہے:"وثّق الشّیءَ یُوثّقُ توثیقا فھو مُوَثّق" ۔یعنی اس نے چیز کو پختہ کیا، مُوَثّق یعنی توثیق کرنے والا۔(۲)۔

"وَثّقَه "یعنی اس نے اس کو ثقہ قرار دیا۔(۳)

مذکورہ تعریفات سے واضح ہوتا ہے وثیقہ وہ شے ہے، جس کے ذریعے سے حق کی ادائیگی کو یقینی بنایا جائے، اور وہ قرض کی دستاویزات (Voucher) اور دیگر مکتوبہ دستاویزات (Documents) اور بانڈز وغیرہ ہیں، وثائق کے ذریعے سے عہد و پیمان یا معاملے یا حق کو پختہ کیا جاتا ہے، دیگر ضمانتوں کی طرح حق کی ادائیگی کو یقینی بنانے کے لئے شخصی ضمانت بھی دی جاتی ہے، لہٰذا ثقہ اور قابل اعتماد شخص یا قابل وثوق اشیاء وغیرہ جن سے مالی معاملات وغیرہ میں پختگی لائی جائے سب وثیقہ کے زمرے میں آئیں گی۔جیسے رہن، شخصی ضمانت، گواہی قائم کرنا اور قرض کی مکتوبہ دستاویزات (Documents) وغیرہ جن کے ذریعے سے قرض یا معاہدہ وغیرہ کو پختہ کیا جاتا ہے، ان وثائق کا مقصد حق کی ادائیگی کو یقینی بنانا ہے۔

اسلام کے مالی نظام میں قرض کی وصولیابی اور حقوق کی توثیق کے بنیادی طور پر تین ذرائع ہیں:

[۱] شہادت (Evidence) [۲] ضمان (Guarantee) [۳] رہن (Mortgage)

[۱] شہادت (Evidence): کسی دعوی [Claim] کے ثبوت کے متعدد ذرائع ہیں، یہ قضاء [Judgement] کی بنیادیں ہیں، جیسے شہادت، کتابت، اقرار [Confess] اور قسم لینا وغیرہ، کتابت، اقرار اور قسم بھی شہادت کا ایک حصہ ہیں۔

مقصد شہادت: شہادت یا گواہی قائم کرنے کا مقصد یہ ہے، تاکہ حق سے انکار کا خوف نہ رہے۔(۴) اس اعتبار سے شہادت حق کی توثیق کا ایک ذریعہ ہے۔

شہادت کا مفہوم: "الشھادة" شین کی زبر کے ساتھ مصدر ہے، قطعی خبر کو کہتے ہیں، کہا جاتا ہے: "شھد علی کذا" اس نے فلاں بات کی شہادت دی، یعنی صحیح درست اور قطعی خبر دی۔(۵)

---

(۱) معجم لغة الفقہاء، حرف الواو ص/۴۹۹۔

(۲) مختار الصحاح، امام محمد بن ابوبکر بن عبدالقادر الرازی، مترجم پروفیسر عبدالرزاق، باب الواو، ص/۹۵۰، ط/۲۰۰۳ء، دارالاشاعت اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان۔

(۳) نفس المرجع السابق، باب الواو، ص/۹۵۰۔

(۴) مغنی المحتاج الی معرفة الفاظ المنہاج، شرح الشیخ محمد الشربینی الخطیب علی متن المنہاج لابی زکریا یحیٰی بن شرف النووی، کتاب الرھن، ۲/۱۲۱، ط/الاولی، ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹م، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان۔

(۵) مختار الصحاح، امام محمد بن ابوبکر بن عبدالقادر الرازی، مترجم پروفیسر عبدالرزاق، باب الشین / مادہ/ش ہ د/ص/۴۹۱، ط/۲۰۰۳ء، دار الاشاعت اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان۔

امام راغب اصفہانی نے لکھا ہے:"الشھود والشھادۃُ الحضورُ مع المشاھدۃِ اما بالبصر أو بالبصیرۃ......" الشھادۃ قول صادر عن علم حصل بمشاھدۃ بصیرۃ أو بصر". (۱) آنکھوں یا بصیرت[Insight] سے حاصل ہونے والے علم کی خبر دینے کو شہادت کہتے ہیں...... شہادت علم سے متعلق صادر ہونے والا ایک قول ہے، جو بصیرت[Insight] یا بصارت کے مشاہدے سے حاصل ہوا ہو۔

عینی گواہی: معجم لغۃ الفقہاء میں ہے:"الاخبار بحق شخص علی غیرہ عن مشاھدۃ و عیان لا عن تخمین وحسبان "۔(۲)

کسی شخص کے حق میں، اس کے مدمقابل کے خلاف، آنکھوں سے دیکھ کر گواہی دینا ہے، نہ کہ اندازے اور گمان سے گواہی دینا شہادت کہلاتا ہے۔

زبانی گواہی میں متعدد احتمالات ہیں، مثلاً گواہی کے چھپانے، اس کے بھول جانے، طرف داری اور اس کے جھوٹا ہونے کا احتمال وغیرہ......اس کے باوجود جمہور فقہاء نے زبانی گواہی کو تمام حالات میں قبول کیا ہے......ان کی رائے میں سچائی کا معیار گواہ کا متدین[Pious] ہونا ہے، نہ کہ تعداد سچائی کا معیار ہے، اس بنا پر گواہی کی تعداد کا مقرر کرنا، امر تعبدی ہے، جو کہ خلاف قیاس ہے۔(۳)

قانون کی نظر میں تعریف:

"It meams to give true information before a competent court of law what one has seen or known for the purpose of proving or disproving a right or a crim."(4)

مجاز قانونی عدالت کے سامنے، اُس معاملے کی سچی اطلاع دینا، جو کسی نے دیکھا ہو یا اُس کے متعلق جانتا ہو، اس شہادت کا مقصد حق یا جرم کا ثبوت یا عدم ثبوت ہے۔

بینۃ (Evidence) کا مفہوم: "شھادت " کے لئے "بینۃ" کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے، جس کے معانی دلیل، حجت، قوی دلیل اور شہادت وغیرہ ہیں۔(۵)

---

(۱) المفردات ، ابوالقاسم، الحسین بن محمد، الراغب، الاصفہانی، (م ۵۰۲ھ) کتاب الشین، مادہ/شھد، ص/ ۲۶۷، ط/ بدون تاریخ، نور محمد، کارخانہ تجارت، کراچی)۔

(۲) معجم لغۃ الفقہاء، ص/ ۲۶۶ ۔

(۳) فلسفہ شریعت اسلام، ڈاکٹر صبحی محمصانی مترجم، مولوی محمد احمد رضوی، ص/ ۲۵۔۳۲۴، ط/ نہم، نومبر ۱۹۹۴ء مجلس ترقی ادب، کلب روڈ لاہور۔

(11) The Islamic Law of Evidence by Prof. Dr. Anwarullah page 20 , First Edition June, 1992,Research Cell Dyal Sing Trust Library Nisbet Road Lahore, Pakistan.

(۴) معجم لغۃ الفقہاء، حرف الباء، ص/ ۱۱۵۔

(۵) لغات القرآن، مولانا عبدالرشید نعمانی، باب الباء الموحدۃ فصل الیاء المثناۃ ۲/ ۵۹، ط/ ۱۹۹۴ء، دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ اردو بازار کراچی نمبر ۱۔

لغات القرآن میں ہے: ''بینۃ'' کھلی اور واضح دلیل کو بینۃ کہتے ہیں، خواہ وہ دلالت عقلی ہو یا محسوسہ ہو۔(۱)

بینة (Evidence) کے اصطلاحی معانی: المجلہ میں ہے: ''البینة هی الحجة القوية'' (۲) ''بینة'' قوی حجت کو کہتے ہیں۔

بینة کھلی اور واضح اور قوی دلیل کہتے ہیں، جو کہ عقلی یا حسی استدلال پر مبنی ہو سکتی ہے، فقہ اسلامی میں ''بینة'' کا لفظ عموما زبانی گواہی کے لئے استعمال ہوا ہے۔(۳)

نتائج بحث: شہادت، کسی معاملے کے متعلق قطعی اور درست خبر دینا ہے، اور خبر کا تعلق معائنہ سے ہے، یعنی دیکھے ہوئے کسی واقعے کی اطلاع دینا۔ لہٰذا کوئی خبر اسی وقت قطعی ہو گی، جب کسی شاہد یعنی گواہ نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو، شاید اسی وجہ سے زبانی گواہی کو ''بینة'' کہتے ہیں۔

اگر کسی شخص نے دیکھے بغیر محض اپنے علم، تجربہ اور دلائل وقرائن کی بنا پر معاملہ کو بیان کیا، تو یہ محض ظن وتخمین ہے، اس کو ظنی شہادت کہہ سکتے ہیں، کیوں کہ یہ علم، تجربہ اور تجزیہ کی بنا پر معرض وجود میں آئی اور علم، تجربہ اور تجزیہ کی بنا پر حاصل ہونے والی معلومات، معاون شہادت ہو سکتی ہیں، شرعی وعرفی شہادت نہیں بن سکتیں، لہٰذا ان کی بنا پر قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

بینة (Evidence) کی اقسام:

بینة (Evidence) یعنی گواہی کی دو قسمیں ہیں:

[۱] تحریری گواہی [۲] زبانی گواہی

(۱) تحریری گواہی: زمانہ قدیم میں زبانی گواہی پر انحصار کیا جاتا تھا کیوں کہ لکھنے کا رواج بہت کم تھا، اس کے مقابلے آج کل دستاویز کے بغیر شاید ہی کوئی معاہدہ ہوتا ہو، اسی وجہ سے عہد حاضر میں تحریری گواہی جو کہ دستاویزات میں موجود ہوتی ہے، دعوی کے ثابت کرنے کے لئے اہم اور قوی دلیل تصور کی جاتی ہے۔(۴)

اسلام نے معیادی قرضوں کے حوالے سے تحریری گواہی قائم کرنے کا حکم اس وقت دیا جب تحریر کا کوئی خاص رجحان و اہتمام نہ تھا اس سے مالی معاملات میں تحریر کی اہمیت واضح ہوتی ہے، اس بارے میں ارشاد باری تعالی ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ط وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ۔(۵)

---

(۱) المجلۃ، مادہ/ ۱۶۷۶، ص/ ۳۷۷، ط/ بدون تاریخ، نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی۔

(۲) فلسفہ شریعت اسلام، ص/ ۳۲۳۔

(۳) فلسفہ شریعت اسلام، ص/ ۳۵۰۔

(۴) احکام القرآن، علامہ ابوبکر الجصاص، ۱/ ۴۸۲، ط/ ۱۴۰۰ھ، سہیل اکیڈمی لاہور۔

(۵) البقرۃ/ ۲۸۲۔

اے ایمان والو جب تم مقررہ مدت تک آپس میں قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور تمہارے درمیان کسی کاتب کو عدل کے ساتھ دستاویز لکھنی چاہیے۔

علامہ جصاص نے لکھا ہے کہ جمہور فقہاء کی رائے میں معاملہء دین[Debt] کو لکھنے اور اس پر گواہی قائم کرنے اور اس کے لئے کسی شے کو رہن رکھنے کا حکم استحبابی ہے......اس میں کوئی چیز واجب نہیں ہے، ابتداء سے آج تک پوری امت مسلمہ، تمام شہروں میں، دین[Debt] پر مبنی عقود[Agreements]، بغیر کسی گواہ کے کرتی رہی اور ہر دور کے علماء، فقہاء اور اہل فتاوی اس سے باخبر تھے، مگر انہوں نے اس پر اعتراض نہ کیا، اگر معاملہ دین کو لکھنے اور اس پر گواہی قائم کرنے اور اس کے لئے کسی شے کو رہن رکھنے کا حکم وجوبی ہوتا، تو وہ اس پر اعتراض کرتے، یہی اس کے مستحب ہونے کی دلیل ہے۔(۱)

علامہ جصاص کی مذکورہ رائے کے باوجود شہادت، کتابت اور رہن رکھنے کی اہمیت کم نہیں ہوتی، بلکہ یہ حکم ہماری اصلاح و بھلائی اور معاملات میں احتیاط کے لئے ہے، اگر چہ سہولت اس کے استحباب میں ہے، نیز دین[Debt] وغیرہ کے معاملے میں کتابت کو اولیت حاصل ہے اور اس پر گواہی، معاملے کو مزید پختہ کرنے کی غرض سے ہے۔

(۲) زبانی گواہی: معاملات میں نزاع کا امکان ہوتا ہے، اس لئے پیش بندی کے طور پر ان میں گواہی قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔فقہاء کے نزدیک تحریری گواہی کے مقابلے میں زبانی گواہی یعنی شہادت کو زیادہ اہمیت حاصل ہے، کیوں کہ ان کی رائے میں خط(Hand writing) پر نہ تو اعتماد کیا جائے گا اور نہ ہی اس پر عمل کیا جائے گا، اس لئے قاضی صرف دلیل کی بناپر ہی فیصلہ کریگا، اور وہ دلیل شہادت یا اقرار[Confess] یا نکول[Dishonour] یعنی انکار ہے، احناف کی رائے میں خط ایک دوسرے کے مشابہ ہو سکتے ہیں اس لئے ان کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا خط شرعی حجت نہیں بن سکتے۔(۲) لیکن کتابت کے ذریعے اقرار[Confess] اور زبان کے ذریعے اقرار[Confess] میں فرق نہیں ہے، کیوں کہ یہ دونوں اقرار[Confess] کے ذرائع ہیں، مجلّہ میں ہے:"**الاقرار بالکتابة کالاقرار باللسان**"۔(۳) کتابت کے ذریعے اقرار[Confess] زبان کے ذریعے اقرار کی طرح ہے۔

اسی طرح وہ شرائط جو تاجروں کے رجسٹروں میں درج ہوں اور قابل اعتبار ہوں، تو وہ بھی کتابت کے ذریعے اقرار [Confess] کی قبیل سے ہیں، جیسا کہ مجلّہ میں ہے:"**القیود التی هی فی دفاتر التجار المعتمد بها هی من قبیل الاقرار بالکتابة ایضا**"۔(۴)

---

(۱) الاشباہ والنظائر لابن نجیم، کتاب القضاء والشہادات، ص/۱۱۶، ط/ بدون تاریخ، ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراتشی۔

(۲) فلسفہ شریعت اسلام، ص/۳۵۱۔

(۳) المجلة، مادہ/۱۶۰۶، ص/۳۵۵۔

(۴) المجلة، مادہ/۱۶۰۸، ص/۳۵۵۔

جب خط اور مہر وغیرہ جعل سازی اور فریب کاری کے شبہہ سے محفوظ ہوں، توان پر عمل کیا جائے گا اور وہ حکم کا مدار ہوں گے اور کسی دوسرے طریقے سے اثبات کی ضرورت نہ ہو گی جیسا کہ مجلّہ میں ہے......یہی حکم شاہی اجازت ناموں، تمسکات [Obligation] اور عدالتوں کے رجسٹروں وغیرہ کا ہے۔(۱)

مذکورہ سطور سے واضح ہوتا ہے کہ تحریری گواہی کی اہمیت کسی طور کم نہیں ہے، بلکہ اس دور میں جب کہ لکھنے کا رجحان زیادہ ہے، کتابت کو ترجیح ہوگی، تاہم اگر دونوں طرح کی شہادات موجود ہوں، تو عمومی شرعی ضابطے کو مدنظر رکھ کر فیصلہ کیا جائے، تو بہتر ہوگا۔

گواہی کا مقصد:

گواہی تحریری طور پر ہو یا زبانی ہو اس کے قائم کرنے کا مقصد یہ ہے، کہ حق سے انکار کا خوف نہ رہے۔(۲) شریعت نے گواہی کے حوالے سے واضح ضابطہ مقرر کیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''**واستشهدوا شهيدين من رجالكم فأن لم يكونا رجلين فرجل و مرأتان ممن ترضون من الشهداء**'' ۔(۳) اور اپنے مردوں میں سے دو گواہ بنالو، پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں (ان کو گواہ بنالو) جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کرتے ہو۔

معاملات میں گواہی کا نصاب: مالی معاملات وغیرہ میں گواہی کا شرعی نصاب دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں (۴) ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے۔

المجلہ میں ہے: ''**نصاب الشهادة فى حقوق العباد رجلان او رجل و امرأتان وتقبل شهادة النساء فقط فى حق المال فى المحال التى لا يمكن اطلاع الرجال عليها**'' (۵) حقوق العباد میں گواہی کا نصاب دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہیں، اور عورتوں کی گواہی صرف مال کی بابت محال میں قبول کی جائے گی جس پر مرد حضرات مطلع نہ ہو سکتے ہوں۔

گواہی کے الفاظ: احناف کی رائے میں کسی حق کو ثابت کرنے کے لئے ''**اشهد**'' کے الفاظ کے ساتھ مجلس قضاء میں سچی خبر دینا شہادت ہے۔(۶) اس لفظ کے اختیار کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ غلام رسول سعیدی نے ابن نجیم کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ لفظ اپنے اندر قسم کے معنی رکھتا ہے، گویا کہ گواہ یہ کہتا ہے، کہ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں نے یہ واقعہ اسی طرح دیکھا ہے اور

(۱) المجلۃ، مادہ/۱۷۳۶، ۱۷۳۷، ص/۳۹۱۔ (۲) مغنی المحتاج، کتاب الرھن، ۲/۱۲۱۔

(۳) البقرۃ/۲۸۲۔

(۴) اقتصادی زندگی میں عورتیں فطرتاً مردوں سے کم تجربہ رکھتی ہیں، لہٰذا عورت کی گواہی، مرد کی آدھی گواہی کے برابر شمار ہوگی۔ (فلسفہ شریعت اسلام، ص/۳۲۸) اگرچہ عورت کی آدھی گواہی کے متعدد اسباب ہیں، مگر سبب کوئی بھی ہو حق یہی ہے کہ شریعت نے عورت کی گواہی کو مرد کے مقابلے میں نصف قرار دیا ہے (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)۔

(۵) المجلۃ، مادہ/۱۶۸۵، ص/۳۷۸۔

(۶) فتح القدیر، علامہ ابن ہمام، ۶/۴۴۶، ط/بدون تاریخ، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر۔

اب اس کی خبر دے رہا ہوں۔(۱)

بنابریں فقہاء کی رائے میں قسم صرف اللہ تعالیٰ کے نام کی ہوگی، جیسا کہ حدیث میں ہے: "**من كان حالفا فليحلف بالله**"۔(۲)

قسم لینا:

اگر کسی مقام پر عاقدین کے مابین نزاع پیدا ہو جائے تو تصفیہ کا طریق کار کیا ہوگا، گواہی کس سے طلب کی جائے گی، اور قسم کو کس پر ڈالا جائے گا، اس حوالے سے شرعی ضابطہ درج ذیل ہے:

جب نزاع پیدا ہو جائے، تو مدعی [Claimant] کی ذمہ داری ہے کہ وہ گواہ پیش کرے، حدیث شریف میں ہے: "**البينة على المدعى و اليمين على من انكر**"۔(۳) گواہی پیش کرنا مدعی [Claimant] پر ہے اور قسم اس پر ہے جو انکار کرے۔

تاہم بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے قسم اور ایک گواہ سے بھی فیصلہ کیا ہے، جیسا کہ ابن عباس سے روایت ہے

علامہ غلام رسول سعیدی نے علامہ امام ابن ہمام کے حوالے سے لکھا ہے کہ حدیث: "**البينة على المدعى و اليمين على من انكر**" مشہور ہے اور اس کو تمام امت نے قبول کیا ہے، یہ حدیث حکماً متواتر کے درجہ میں ہے، اور اس کے مقابل: "**قضى باليمين مع الشاهد**" والی حدیث غریب ہے اور غریب حدیث، متواتر حدیث کے معارض نہیں ہوسکتی (شرح صحیح مسلم، علامہ غلام رسول سعیدی، کتاب الاقضیۃ، باب القضاء بالیمین والشاہد، ۵/۸۱، ط/۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء، فرید بک سٹال ۳۸ اردو بازار لاہور ۲)۔

ابن قدامہ نے اس حدیث: "**البينة على المدعى و اليمين على من انكر**" کو ضعیف کہا ہے، علامہ غلام رسول سعیدی کے بقول ان کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے، بلکہ یہ قول بداہت کے خلاف ہے۔ (شرح صحیح مسلم، کتاب الاقضیۃ، باب القضاء بالیمین والشاہد، ۵/۸۲)۔

علامہ زیلعی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث بخاری، مسلم، سنن الکبریٰ للبیہقی، سنن دار القطنی، میں منقول ہے اور ابن عدی نے اس کو دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے، جبکہ امام واقدی نے اس حدیث کو کتاب المغازی میں روایت کیا ہے۔ (نصب الرایۃ، الامام ابو محمد، عبداللہ بن یوسف الزیلعی المتوفی (۷۶۲ھ)، ۴/۹۶، ط/ دار الحدیث)۔ (شرح صحیح مسلم، کتاب الاقضیۃ، باب القضاء بالیمین والشاہد، ۵/۸۲)۔

---

(۱) تبیان القرآن، علامہ، غلام رسول رضوی، ۱/۱۰۵۵، ط/۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹م، فرید بک سٹال ۳۸ اردو بازار لاہور۔

(۲) صحیح البخاری، الامام ابوعبداللہ، محمد بن اسماعیل البخاری (م ۲۵۶ھ)، کتاب الایمان والنذور، باب لاتحلفوا بآبائکم ۲/۹۸۳، رقم الحدیث/ ۶۶۴۶، ط/۱۴۰۵ھ ـ ۱۹۸۵ء، وزارۃ التعلیم الفید رالیۃ باسلام آباد۔

(۳) صحیح البخاری، کتاب الشھادات، باب الیمین علی المدعی علیہ فی الأموال والحدود، ۱/۳۶۶۔

علامہ غلام رسول سعیدی نے کہا ہے کہ یہ حدیث: "**البینة علی المدعی والیمین علی من انکر**" اس قدر اسانید کثیرہ سے مروی ہے، کہ اس کو حکما متواتر قرار دیا گیا اور اس حدیث کے مشہور ہونے میں سب کا اتفاق ہے (شرح صحیح مسلم، کتاب الاقضیة، باب القضاء بالیمین والشاھد، ۵/۸۱) کی عمرو بن دینار سے روایت ہے، حالانکہ قیس بن سعد کی عمرو بن دینار سے کوئی روایت نہیں ہے، جیسا کہ امام طحاوی نے اس کی تصریح کی ہے۔ (شرح معانی الآثار، باب القضاء بالیمین مع الشاھد ۲/ ۲۵۷) (نصب الرایة ۴/ ۹۷)۔

ابن قطان نے لکھا ہے کہ اگر چہ امام مسلم نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں "عن قیس بن سعد عن عمرو بن دینار عن ابن عباس" روایت کیا ہے، مگر اس میں دو انقطاع ہیں......اور امام دارقطنی نے حدیث کو: "**عن طاؤس عن ابن عباس**" روایت کیا ہے، اس کی سند میں عبداللہ بن محمد بن ربیعہ متروک ہے۔ (نصب الرایة ۴/ ۹۷ و مابعد)۔

حدیث: "**قضی بالیمین مع الشاھد**" کو امام ترمذی نے "عن ربیعہ بن ابی عبدالرحمن عن سہیل بن ابی صالح عن ابیہ عن ابی ھریرة" سے روایت کیا ہے اور اس کو حسن غریب کہا ہے، امام طحاوی کے بقول......عبدالعزیز (اور اسی طرح)......دراوردی نے سہیل سے پوچھا تو اس نے اس حدیث کو نہ پہچانا (شرح معانی الآثار، باب القضاء بالیمین مع الشاھد ۲/ ۲۵۶۔۲۵۷) اسی طرح سلیمان نے ان سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا میں اس حدیث کو نہیں جانتا...... سہیل کو بیماری لاحق ہوئی جس کی وجہ سے ان کی عقل چلی گئی (نصب الرایة ۴/ ۹۹)۔

"**أن رسول الله قضی بیمین وشاھد**" (۱) رسول اللہ ﷺ نے قسم اور ایک گواہ کے ساتھ فیصلہ فرمایا۔

---

(۱) الصحیح للمسلم، الامام مسلم بن حجاج القشیری، کتاب الأقضیة، باب وجوب الحکم بشاھد ویمین ۲/ ۷۴، ط/ ۱۴۰۵ھ۔۱۹۸۵م طبع علی النفقة وزارة التعلیم الفید رالیة باسلام آباد۔ اسی طرح کی مزید روایات حضرت ابو ہریرۃ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے منقول ہیں (سنن ابن ماجہ، الامام ابو عبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی (م ۲۷۳ھ)، ابواب الشہادات، باب القضاء بالشاھد والیمین، ص/ ۱۷۳، ط/ بدون تاریخ، ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل کراچی)۔

علامہ زیلعی کی رائے کے مطابق اس حدیث میں دو انقطاع ہیں:

۱۔ بقول امام ترمذی، امام بخاری نے کہا کہ عمرو بن دینار نے ابن عباس سے حدیث کو نہیں سنا...... امام بخاری کی بات کی توثیق امام دارقطنی سند سے ہو رہی ہے، جس میں عمرو بن دینار کے بعد طاؤس کا نام ہے۔ دارقطنی حدیث کو اس سند سے روایت کیا ہے: "**عن عبداللہ بن محمد بن ربیعة ثنا محمد بن مسلم عن عمرو بن دینار عن طاؤس عن ابن عباس**" ...... نیز عبداللہ بن محمد بن ربیعہ متروک ہے۔

۲۔ امام طحاوی کہتے ہیں کہ ہم قیس بن سعد کی عمرو بن دینار سے کسی روایت سے واقف نہیں ہیں (شرح معانی الآثار، باب القضاء بالیمین مع الشاھد ۲/ ۲۵۷) (نصب الرایة ۴/ ۹۸)۔

ابن قطان نے لکھا ہے کہ اگر چہ امام مسلم نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں "عن قیس بن سعد عن عمرو بن دینار عن ابن عباس" روایت کیا ہے، مگر اس میں دو انقطاع ہیں (نصب الرایة ۴/ ۹۸۔۹۷)۔

حدیث مذکورہ سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ یہ قسم مدعی [Claimant] پر ہے یا مدعی علیہ [Defendant] پر ہے، فقہاء احناف نے اس حدیث کی تاویل کی ہے: "ان المراد قضی بشاهد للمدعی ویمین المدعی علیه ای قضیٰ احیاناهکذا واحیانا هکذا "۔(۱)

کہ لیکن دوسری حدیث اس بات کا تعین کرتی ہے کہ قسم مدعی علیہ [Defendant] پر ہے، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "ان النبی ﷺ قضی بالیمین علی المدعٰی علیه"۔(۲) یعنی حضور ﷺ نے مدعی علیہ [Defendant] پر قسم سے فیصلہ فرمایا۔

مدعی [Claimant] کی قسم اور ایک گواہ کے ساتھ فیصلہ کرنا جائز ہے..... مگر یہ کہ یہ فیصلہ صرف مالی معاملات کے ساتھ خاص ہے۔(۳)

علامہ نووی نے کہا: "فیه جواز القضاء بشاهد ویمین"۔(۴) مدعی [Claimant] جب اپنے دعوی پر ایک گواہ پیش کرے اور قسم کھالے، تو اس کے حق میں فیصلہ کرنا جائز ہے۔ انہی کے بقول صحابہ، تابعین اور جمہور فقہاء کا موقف ہے کہ اموال اور جن چیزوں سے اموال کا قصد کیا جائے، ان میں ایک گواہ اور قسم کی بنا پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔(۵)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک ضعیف روایت ہے: "ان النبی ﷺ رد الیمین علی طالب الحق "۔(۶)

حنابلہ نے حدیث ابن عباس کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا کہ مالیات میں ایک گواہ اور قسم سے فیصلہ ہو جائے گا۔(۷)

---

(۱) کشف المغطاعن وجہ الموطا (حاشیۃ الموطا للمالک)، مولانا اشفاق الرحمٰن الکاندھلوی، ص/۶۳۴۔

(۲) صحیح البخاری، کتاب الشھادات، باب الیمین علی المدعی علیہ فی الأموال والحدود ۱/ ۳۶۷۔

(۳) فقہ الحدیث، ترجمہ وتشریح کتاب الدرر البھیۃ للشوکانی، مترجم حافظ عمران ایوب، لاہوری، کتاب الخصومۃ ۲/ ۵۹۱، ط/ جولائی ۲۰۰۴م، نعمانی کتب خانہ، لاہور۔

(۴) شرح الکامل للنووی، مع الصحیح للمسلم، کتاب الاقضیۃ، باب وجوب الحکم بشاھد ویمین ۲/ ۷۴، ط/ ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء، وزارۃ التعلیم الفیدرالیۃ باسلام آباد۔

(۵) علامہ نووی کے بقول اس باب میں حدیث ابن عباس صحیح ترین ہے...... اس پر کسی نے جرح نہیں کی اور ائمہ فن حدیث کی رائے میں اس حدیث کی صحت میں کوئی اختلاف نہیں ہے (شرح الکامل للنووی، مع الصحیح للمسلم، کتاب الاقضیۃ، باب وجوب الحکم بشاھد ویمین ۲/ ۷۴)

(۶) علامہ شوکانی کی رائے میں مدعی [Claimant] سے قسم اٹھوانے پر کوئی واضح دلیل نہیں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ضعیف ہے (فقہ الحدیث، کتاب الخصومۃ ۲/ ۵۹۲۔ احناف کی رائے میں ایک گواہ اور مدعی [Claimant] کی قسم کی بنا پر فیصلہ کرنے کے حوالے سے جو حدیث آئی ہے، وہ منقطع ہے، اور وہ حدیث جس میں ایک سے زائد راوی منقطع ہوں وہ قرآن کے کسی حکم کو منسوخ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ہے (نصب الرایۃ ۴/ ۹۷ وما بعد)۔

(۷) عقوبات اور بدنیات یعنی نکاح وغیرہ کے احکام میں دو گواہوں کی ضرورت ہوگی (المغنی لابن قدامۃ الحنبلی ۱۲/ ۷ وما بعد، ط/ دار الفکر بیروت لبنان)۔

فقہاء مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ وغیرہ کی رائے میں مالیات میں گواہ کے ساتھ قسم کے ذریعے فیصلہ کیا جائے گا۔(۱) علامہ شوکانی اسی کے قائل ہیں (۲) احناف کی رائے میں حدود اور قصاص کے علاوہ سب حقوق میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قبول کی جائے گی، (۳) مقررہ نصاب سے ہٹ کر فیصلہ دینا جائز نہیں ہے۔

احناف کی رائے میں: "قضی بیمین و شاهد" کو مالیات کے ساتھ خاص کرنا درست نہیں ہے، بلکہ تمام امور میں دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کی ضرورت ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "واستشهدوا شهيدين من رجالكم فأن لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشهداء" ۔(۴) آیت مذکورہ میں گواہی کا نصاب دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں مقرر ہوا ہے، لہٰذا ایک گواہ اور مدعی [Claimant] کی قسم کی بنا پر فیصلہ کرنے کا حکم اس آیت سے باطل ہو رہا ہے، نیز سیاق آیت میں قرض پر دو گواہ بنانے کا ذکر موجود ہے، اور گواہ اس لئے بنائے گئے تاکہ اگر کوئی فریق انکار کرے، تو حاکم کے سامنے دو گواہ پیش کر دیئے جاسکیں، لہٰذا حاکم پر لازم ہے کہ وہ دو گواہوں کی بنا پر فیصلہ دے، کیوں کہ آیت میں امر کا صیغہ ہے، جو کہ وجوب کا تقاضا کرتا ہے، جس طرح حد قذف میں اسّی (۸۰) کوڑوں سے کم اور حد زنا میں سو (۱۰۰) کوڑوں سے کم مارنا جائز نہیں، اسی طرح دو گواہ منصوص (Expressly stated in the text) ہیں اور دو گواہوں سے کم گواہ پیش کرنا اور دو سے کم گواہوں پر فیصلہ دینا جائز نہیں ہے۔(۵)

حدیث: "قضیٰ بیمین و شاهد" قرآن وحادیث مشہورہ کے خلاف ہے، جبکہ اس کے مقابلے میں حدیث: "البينة على المدعي واليمين على من انكر" زیادہ مشہور ہے اور امت نے اس کو قبول کیا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ مدعیٰ علیہ پر قسم ہے۔(۶)

لہٰذا اگر ایک گواہ اور مدعی [Claimant] پر قسم کے ساتھ فیصلہ دیا جائے، تو گواہی کا قاعدہ ٹوٹ جائے گا اور اس قاعدہ کا عموم منسوخ ہو جائے گا۔

---

(۱) بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد لابن رشد، مترجم ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی، ص/۱۲۳۰، ط/ ۲۰۰۶ء، دار التذکیر رحمٰن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور۔

(۲) فقہ الحدیث، کتاب الخصومۃ ۲/ ۵۹۱۔

(۳) (اللباب فی شرح الکتاب، شیخ عبد الغنی المیدانی ۲/ ۱۴۲، ط/ قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ، کراچی، پاکستان)۔ شافعیہ کی رائے میں یہ حکم صرف اموال اور اس کے توابع؛ جیسے بیع، شراء، شرط خیار، اجل، اجارہ اور اعارہ وغیرہ میں ہے (التفسیرات الاحمدیہ، الشیخ، ملاں احمد الجونفوری، ص/ ۱۷۹، مکتبۃ الحرم اردو بازار، لاہور، پاکستان)۔

(۴) البقرۃ/ ۲۸۲۔

(۵) احکام القرآن، ابوبکر علی الرازی الجصاص (م ۳۷۰ھ) ۱/ ۵۱۴ ومابعد، ط/ ۱۴۰۰ھ، سہیل اکیڈمی لاہور۔

(۶) شرح صحیح مسلم، کتاب الاقضیۃ، باب القضاء بالیمین والشاهد، ۵/ ۸۱۔ کشف الغطاء عن وجہ المؤطا للمالک (حاشیۃ ۲) ص/ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔

حاصل یہ ہے کہ ایک گواہ اور مدعی پر قسم سے فیصلہ باطل ہے، مدعی پر گواہی اور انکار کرنے والے پر قسم ہے، نیز گواہی کا معیار وہی ہے جو آیت قرآنی سے واضح ہوتا ہے۔

اقرار حق: قضاء کی ایک بنیاد حق کا اقرار [Confess] ہے، جس کی بنا پر فیصلہ کیا جاتا ہے۔

اقرار کا مفہوم: لفظ اقرار، اقرّ کا مصدر ہے۔(۱) "أقرّ به" باء کے صلہ کے ساتھ، اقرار [Confess] کے معنی اعتراف کرنا، تسلیم کرنا اور مان لینا کے ہیں۔(۲) کہا جاتا ہے: "اقرّ بالحق" یعنی اس نے حق کا اقرار [Confess] و اعتراف [Admit] کیا۔(۳)

معجم لغۃ الفقہاء میں اقرار (Recognition of rights) کی تعریف یہ کی گئی: "اعتراف الشخص بحق علیه لآخر"۔(۴) کسی شخص کا کسی دوسرے کے حق (جو اس کے ذمہ ہے) کو تسلیم کرنا، اقرار کہلاتا ہے۔

دعوی کے ثبوت کے لئے سب سے زیادہ قوی دلیل، مدعیٰ علیہ [Defendant] کا ذاتی اقرار [Confess] ہے، مجلّہ میں ہے: "ان اقر المدعی علیه الزمه الحاکم باقراره وان انکر طلب البینة من المدعی"۔(۵) اگر مدعیٰ علیہ [Defendant] اقرار کر لے تو حاکم اس کے اقرار [Confess] پر اس کو پابند بنائے گا اور اگر اس نے انکار کیا، تو مدعی [Claimant] سے گواہی طلب کی جائے گی۔

[۲] ضمان (Guarantee):

ضَمِن (عین کلمہ کے زیر کے ساتھ) "ضَمِنَ الشیءَ" اس نے فلاں شے کی ضمانت دی، ایسے شخص کو "ضَامِن" یا "ضَمِین" کہتے ہیں، "ضَمَّنَهُ الشیءَ تَضمِینًا فَتَضَمَّنَهُ عنه" اس نے اسے کسی چیز کا ضامن [Guarantor] بنایا، تو وہ اس کی طرف سے ضامن بن گیا۔(۶)

"الضمان......الکفالۃ" ضمان، کفالت کو کہتے ہیں...... "الضمانة"، "ضَمِنَ" سے ہے، ہر وہ شے جو حق کے ضیاع سے حق کی کفیل [Guarantor] ہو، جیسے وثیقہ، رہن اور کفالت وغیرہ، ان (Warranty deed) کو ضمانت کہتے ہیں۔(۷)

---

(۱) معجم لغۃ الفقہاء، حرف الھمزۃ /ص/۸۳۔

(۲) المورد الوسیط، ڈاکٹر روحی البعلبکی، منیر البعلبکی، مترجم پروفیسر عبدالرزاق، حرف أ/ص/۷۴، ط/۲۰۰۵ء، دارالاشاعت اردو بازار کراچی۔

(۳) مختار الصحاح، باب القاف، مادہ/قرر/ص/۳۳۷۔

(۴) معجم لغۃ الفقہاء، حرف الھمزۃ /ص/۸۳۔

(۵) المجلۃ، مادہ/۱۸۱۷/ص/۳۰۹۔

(۶) مختار الصحاح، باب الضاد/مادہ/ض م ن/ص/۵۴۱۔

(۷) معجم لغۃ الفقہاء، حرف الضاد/ص/۲۸۵۔

لغت میں "وثــقــه" کا لفظ آیا ہے، یعنی اس نے اس کو ثقہ قرار دیا۔(۱) شاید اسی بنا پر شخصی ضمانت کو وثیقہ کہا جاتا ہے، عموماً ضمانت کی ضرورت دو معاملہ کاروں کے مابین پیش آتی ہے، اوران کے درمیان جب کوئی تیسرا شخص، حق دلوانے کی ضمانت اٹھائے، تو اس کو ضامن [Guarantor] کہتے ہیں۔

ضمانت کسی شے کی ہوتی ہے، جو حق کو ضائع ہونے سے بچاتی ہے اور حق کی کفالت کرتی ہے، ضمانت شخصی ہو تو کفالت کی ذمہ داری کفیل پر آتی ہے۔

مقصد ضمان:

افلاس [Bankruptcy] کے خوف کی وجہ سے ضمان کو قائم کیا جاتا ہے۔(۲) مطلب یہ ہوا کہ جب کوئی ضامن یا کفیل [Guarantor] ہوجائے، تو افلاس [Bankruptcy] کا خوف نہیں رہتا، کیوں کہ قرض وغیرہ دینے والا، عدم ادائیگی کی صورت میں، ضمانت اٹھانے والے سے قرض کا مطالبہ کرسکتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کے عہد میں ایک قرض دینے والے نے کسی کے بیس دینار دینے تھے، قرضخواہ نے اس سے مطالبہ کیا، تو اس نے کہا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے، جو کہ میں تمہیں دوں، قرض خواہ نے کہا بخدا! جب تک تو قرض ادا نہیں کرے گا میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا یا تو مجھے کوئی ضامن دے، وہ اسے کھینچ کر نبی ﷺ کے پاس لے گیا، حضور ﷺ نے اس سے پوچھا کہ، تو اس سے کتنی مہلت مانگتا ہے، اس نے کہا کہ ایک ماہ کی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس کا ضامن ہوں، پھر وہ شخص مقررہ مدت اسے لے آیا تو آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ کہاں سے ملا ہے تو اس نے کہا معدن (کان) سے، تو آپ نے فرمایا اس میں بھلائی نہیں ہے، (اس کے مال کو رد فرمایا) اور اس کے قرض کو اپنی طرف سے ادا کیا۔(۳) مذکورہ حدیث صحیح ہے اور اس میں قسم کو مدعیٰ علیہ [Defendant] پر ڈالا گیا ہے، اس حدیث سے چند باتیں مزید ظاہر ہوتی ہیں:

(۱) مختار الصحاح، باب الواو، ص/۹۵۰۔

(۲) مغنی المحتاج، کتاب الرھن، ۲/۱۲۱۔

(۳) سنن ابن ماجہ، ابواب الصدقات ومتعلقاتھا، باب الکفالۃ، ص/۱۷۵۔ حاشیہ کتاب میں علامہ عبدالغنی مجددی دہلوی نے آپ ﷺ کے مال کو رد فرمانے کی وجہ نے یہ لکھی ہے، کہ معدن اگر دارالاسلام میں ہو اور اسے کوئی مسلمان پائے، تو وہ اس کا خمس ادا کرے گا، کیوں کہ حدیث میں ہے: "وفی الکاز الخمس" اور باقی ماندہ اس کے مالک کا ہوگا، بشرطیکہ وہ اس کا مالک ہو، اور اگر یہ کسی پہاڑ یا جنگل میں ہو، تو اس کا ہے، جس نے پایا ہے، اور یہ بات نامعلوم تھی، کہ اس نے کسی دوسرے کی ملکیت سے لیا ہے یا جنگل سے حاصل کیا ہے، وہ مال نہ لینا بہتر تھا، اس وجہ سے آپ نے اس کو لوٹا دیا اور اس کا دین [Debt] اپنی طرف سے ادا کر دیا۔ (انجاح الحاجۃ حاشیۃ سنن ابن ماجہ، الشیخ، عبدالغنی المجددی، الدھلوی، ابواب الصدقات ومتعلقاتھا، باب الکفالۃ، ص/۱۷۵، ط/ بدون تاریخ، ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل کراچی)۔

[اولا] قرضخواہ کو مطالبہء دین[Debt] کا حق حاصل ہے۔

[ثانیا] جس کے ذمہ دین[Debt] ہے، قاضی اس کو مہلت دے سکتا ہے۔

[ثالثا] مقررہ وقت میں دین[Debt] نہ کیا جا سکے، تو ضامن[Guarantor] دین کی ادائیگی خود کرنے کا پابند ہے۔

[رابعا] قاضی، منصب قضاۃ پر رہتے ہوئے خود کسی کا ضامن[Guarantor] بن سکتا ہے۔

[خامسا] مدت دین پوری ہونے پر معاملہ کو عدالت میں لایا جائے گا۔

[سادسا] قاضی، کے پاس اختیار ہے کہ وہ ذرائع آمدن (Source of Income) کے متعلق دریافت کرے اور مشکوک و ناجائز آمدن کو مسترد کر دے۔

[سابعا] رکاز میں خمس ہے۔

قاضی کا علم کی بنا پر فیصلہ کرنا: قسم کے باوجود قاضی اپنے علم کی بنا پر فیصلہ کر سکتا ہے، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں جھگڑا لائے، تو آپ نے مطالبہ کرنے والے سے دلیل پیش کرنے کو کہا، جب وہ دلیل پیش نہ کر سکا تو آپ ﷺ نے دوسرے شخص (مطلوب) کو قسم اٹھانے کا کہا، اس نے اللہ کی قسم کھائی کہ اس کی کوئی شے اس کے پاس نہیں ہے، تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "قد فعلت ولكن غُفِرَلَکَ باخلاص قول لاالٰه الا الله" ۔(۱) یعنی تو نے ایسا کیا ہے، لیکن تجھے "لا اله الا الله" اخلاص کے ساتھ کہنے کی وجہ سے بخش دیا ہے، ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "بل هو عندک ادفع اليه حقه" بلکہ وہ تیرے پاس ہے، اور اس کو اس کا حق دے دے۔ مذکورہ احادیث میں فیصلہ کے لئے بنیادی اصولوں یعنی گواہی اور قسم کو بروکار لایا گیا بعد ازاں جب ناجائز طور پر دوسرے کا حق غصب کرنے کی کوشش کی گئی تو نگاہ نبوت سے فیصلہ دیا گیا، جو کہ صرف آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہے، لہٰذا قاضی کا اپنے علم کی بنا پر فیصلہ قطعی فیصلہ نہیں کر سکتا، بلکہ فیصلہ قضاۃ کے اصولوں کے مطابق کیا جائے گا اس کا علم معاون فیصلہ ہو سکتا ہے، اس حوالے سے وہ ناجائز کرنے والے کو خوف دلا سکتا ہے۔

[۳] رہن (Mortgage):

رہن کی تاریخ قدیم یونانیوں کے دور سے ملتی ہے، قدیم معاشرے میں اس کا چل چلاؤ رہا، "تاریخ میں سب سے پہلے غیر سودی کاروبار کرنے والے بینک کا نام ایجبی تھا اس بینک نے رہن کو اپنی اساس بنایا تھا، یہ بینک ساتویں صدی قبل مسیح بابل میں قائم ہوا اور اپنے زمانے کا ممتاز بینک تھا"۔(۲)

(۱) السنن لابی داود، الامام، ابوداود السجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ) کتاب الایمان والنذور، باب فی الحلف کاذبا متعمدا، ص/۴۷۶، ح/۳۲۷۵، ط/الاولی ۱۴۲۰/ ۱۹۹۹م، دارالسلام للنشر والتوزیع الریاض۔

(۲) ہسٹری آف دی جیوز نیویارک ا/ص ۶۸۔۶۹، ط/ ۱۹۵۸ء بحوالہ سود کی متبادل اساس، شیخ محمود احمد، ص/۹۴، ط/اول، ۱۹۸۶م، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲ کلب روڈ، لاھور۔

اسلام سے پہلے لوگ مادی اشیاء کے علاوہ اپنی اولادوں کو بھی رہن رکھتے تھے، زمانہ ءجاہلیت میں عربوں یہ رواج تھا کہ راہن، مرتہن سے کہتا کہ اگر میں فلاں وقت تک قرض کی رقم تمہارے پاس لے آؤں تو ٹھیک ہے، بصورت دیگر رہن تمہارا ہوگا اور جب راہن، رہن کو شرط کے مطابق مقررہ وقت میں چھڑانے کی طاقت نہ رکھتا، تو شے مرہونہ کو مرتہن کی ملکیت تصور کرلیا جاتا تھا۔

عہد اسلام میں دیگر رواجی قوانین کی طرح رہن کا قانون بھی موجود تھا، اسلام نے اس قانون کو برقرار رکھا، البتہ جہاں خرابی تھی اس کو دور کر دیا گیا، چنانچہ حضور ﷺ نے اپنے فرمان: "**لا یغلق الرهن**"(۱) کے ذریعے رہن کو اس طرح بند کرنے سے منع فرمایا وہ مرتہن کی

ملکیت بن جائے، یہ زمانہ جاہلیت عرب رہن کے حوالے سے اس طرح کیا کرتے تھے، کے اس طریقے کو باطل قرار دیا۔

اسلام نے معیادی قرضوں میں شہادت اور کتابت کا حکم دیا ہے اور اگر کسی جگہ کاتب میسر نہ ہو، تو رہن رکھنے کا حکم دیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:**وان کنتم علی سفر ولم تجدوا کاتبا فرهٰن مقبوضةط فان امن بعضکم بعضا فلیؤد الذی اؤتمن امانته ولیتق اللہ ربه**"۔(۲)

اور اگر تم سفر میں ہو اور تمہیں دستاویز لکھنے والا نہ ملے، تو قبضہ دی ہوئی رہن (کی بناپر معاملہ کرو) پھر اگر تمہیں ایک دوسرے پر اعتبار ہو تو جس پر اعتبار کیا گیا ہے اسے چاہیے کہ وہ اس کی امانت ادا کرے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔

رہن کی شکل صورت میں عہد بعہد جدت آتی گئی، اس وقت رہن، متعدد صورتوں کے ساتھ مالیاتی نظام کا حصہ بنا ہوا ہے، موجودہ بینکاری نظام میں رہن کو جو بنیادی حیثیت حاصل ہے، اس سے انکار محال ہے۔

وثیقہ دین[Debt] کا مالی اعتبار سے قیمتی ہونا ضروری ہے، مال متقوم کی جو قید فقہاء نے لگائی اس کا فائدہ یہ ہے، کہ ایسی تمام اشیاء وثیقہ سے نکل جاتی ہیں جو حرام ہیں یا حرام کرنے والی ہیں اور انکی پلیدی جدا کرنا ممکن نہیں ایسی اشیاء کو قرض کا وثیقہ بنانا جائز نہیں ہے۔(۳)

قرآنی آیت اور حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ رہن سے دین[Debt] کی توثیق ہوتی ہے۔

علامہ جزیری نے لکھا ہے کہ لفظ وثیق کے معنی پائیدار کے ہیں، پس قرض میں کوئی شے رہن رکھی جائے، تو وہ قرض قابل وثوق ہوجاتا ہے۔(۴)

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی نے لکھا ہے:"**وثیقة ای متوثق بها فقد توثق الدین وصار مضمونا محکما بالعین**

---

(۱) الام، ابوعبداللہ محمد بن ادریس الشافعی (۱۵۰۔۲۰۴ھ)، کتاب الرھن ۳/۱۸۶، ط/ بدون تاریخ، دار المعرفۃ بیروت لبنان۔

(۲) البقرۃ/۲۸۳۔

(۳) الفقہ الاسلامی وادلتہ، الدکتور، وھبۃ الزحیلی، الفصل الثانی عشر، الرھن، ۵/۱۸۰، ط/ الثالثۃ ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۹م، دار الفکر سوریا دمشق۔

(۴) کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، کتاب الرھن، ۲/۶۴۰۔

المرھون" (۱) وثیقہ وہ شے ہے جس کے ساتھ کسی کو مضبوط کیا جائے، قرض مضبوط ہو کر شے مرہونہ کے عوض پختہ اور قابل ضمانت ہوا۔

علامہ عینی نے علامہ قدوری کے حوالے سے لکھا ہے: "الرھن ......عبارة عن عقد وثيقة، وَ بذا ک ينفصل من الكفالة والحوالة، لانهما عقدو ثيقة بذمة، و ينفصل من المبيع في يد البائع لا نه وثيقة و ليس بعقد على وثيقة" (۲) رہن وثیقہ کے عقد سے عبارت ہے اسی وجہ سے کفالہ اور حوالہ سے جدا ہے کیوں کہ یہ دونوں شخصی ذمہ داری کے عقد ہیں اور بائع کے قبضہ میں جو مبیع (جو شے بیچی یا خریدی جارہی ہو) ہے اس سے جدا ہے کیوں کہ وہ صرف وثیقہ ہے اور وثیقہ پر عقد نہیں ہے۔

امام راغب اصفہانی نے رہن کی تعریف کرتے ہوئے کہا: "الرهن ما يوضع وثيقة للدين" قرض کی مضبوطی اور پختگی کے لئے جو شے رکھی جائے، رہن کہلاتی ہے۔ (۳)

لہٰذا ایسی شے وثیقہ بن سکتی ہے جو مالی اعتبار سے قیمت رکھتی ہو، مالی اعتبار سے قیمت کی قید لگانے سے ایسی تمام اشیاء وثیقہ سے نکل جائیں گیں جو حرام ہیں یا حرام کرنے والی ہیں اور انکی پلیدی جدا کرنا ممکن نہیں ایسی اشیاء کو قرض کا وثیقہ بنانا جائز نہیں ہے۔

مالیاتی اداروں میں متعدد مقاصد کے تحت قرضے دیئے جاتے ہیں، جن میں متعدد نوعیت کی ضمانتیں درکار ہوتی ہیں، ان میں شخصی ضمانتیں، ذاتی ملکیتی جائیداد کی ضمانتیں، اشیاء رہن کی ضمانتیں وغیرہ شامل ہیں، اسلامی مالیاتی نظام کے مطابق رہن کو بطور ضمانت (Guarantee) رکھا گیا ہے۔

محمد حفیظ ارشد ملک نے چند مقاصد کے تحت دیئے جانے والے قرضوں کی نشاندہی کی ہے، جن میں رہن کو بطور ضمانت (Guarantee) رکھا جاتا ہے:

مقصد قرضہ	مالی تعاون کا طریقہ	مطلوبہ ضمانت
[۱] ذاتی قرضہ	قرض حسنہ	ذاتی ملکیت جائیداد (اس میں منقولہ غیر منقولہ جائیداد کو رہن رکھا جاسکتا ہے)
[۲] سرمایہ عاملہ تجارت وصنعت	مرابحہ	اشیاء کا رہن
[۳] اشیاء سرمایہ کے لئے	مرابحہ (حقوق ملکیت)	ملکیت کاغذات کا رہن
[۴] اشیاء واجناس کی ترسیل کیلئے	مرابحہ واپس خریداری کا معاہدہ	ملکیت کاغذات کا رہن
[۵] زمین کی اصلاح وترقی	ترقیاتی چارج	زمین کا رہن
[۶] اشیاء صرف کی خریداری	مرابحہ/ بیع اقساط	ذاتی ضمانت (بذریعہ رہن ضمانت) (۴)

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ، الفصل الثانی عشر، الرھن، ۵/۱۸۰۔

(۲) البنایہ شرح الھدایہ، محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن الحسین المعروف ببدرالدین العینی الحنفی (م۸۵۵ھ/۱۴۵۱م)، ۱۲/۴۶۵، ط/الاولی ۱۴۲۰ھ/۲۰۰۰م، المکتبۃ الغفاریۃ، کانسی روڈ، شالدرہ کوئٹہ، پاکستان۔

(۳) المفردات، کتاب الراء، مادہ/رھن/ص۲۰۴۔

(۴) اسلامی مالیاتی طریقہ کار بلاسود بنکنگ، محمد حفیظ ارشد ملک، ص/۱۳۰، ط/ ۲۰۰۵ء، الحفیظ ویلفیئر ٹرسٹ رجسٹرڈ اسلام آباد۔

قبضہ رہن کے معاملات:

عقد رہن کے دو پہلو ہیں، ایک اعتبار سے رہن عقود تبرعات کے مشابہ ہے، اور دوسرے اعتبار سے یہ عقد بیع سے ملتا جلتا ہے:

[۱] عقد رہن کی عقود تبرعات سے مشابہت [۲] عقد رہن کی عقد بیع سے مشابہت

(ا) عقد رہن کی عقود تبرعات سے مشابہت: عقد رہن میں عقود تبرعات (۱) کی خصوصیات پائی جاتی ہیں:

اولا: عقد تبرع (Donation) کی طرح شے رہن کسی کا چیز کا عوض و معاوضہ نہیں ہوتی، بلکہ مقروض کے قرض ادا کرنے کے ساتھ ہی راہن اپنا رہن واپس لے لیتا ہے۔

ثانیا: رہن، عقد تبرع کی طرح صرف متبرع (Donor) سے تام ہو جائے گا، جیسے ہبہ اور صدقہ عقود تبرع ہیں، جو متبرع (Donor) سے تام ہو جاتے ہیں۔(۲)

ثالثا: راہن پر رہن بھی لازم نہیں ہوتا، بلکہ وہ اپنی ضرورت کی وجہ سے خود رہن دیتا اور منظور کرتا ہے، تو صرف اسی کے قبول سے تمام ہو جائے گا، مثلاً کہے کہ میں نے قرضہ کے عوض رہن دیا اس طرح کے الفاظ کہے مگر لفظ رہن کہنا شرط نہیں ہے، لیکن اگر اس نے خرید کر کوئی کپڑا دیا اور کہا کہ اس کو رہن رکھ لو، جب تک میں تیرا قرضہ ادا نہ کروں، تو یہ کپڑا رہن ہو جائے گا، کیوں کہ اس نے رہن کے معنی بیان کئے ہیں اور عقود [Agreements] میں معانی کا اعتبار کیا جاتا ہے۔(۳)

رابعا: دیگر تبرعات کی طرح رہن خود بغیر قبضہ کے مفید حکم نہیں ہوتا۔(۴) آئمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ رہن میں قبضہ کا پایا جانا ایک لازمی شرط ہے، اختلاف اس امر میں ہے کہ قبضہ، صحت عقد کی شرط ہے یا عقد کے تام ہونے کی شرط ہے۔(۵)

---

(۱) کسی کو بغیر کسی مقابل کے دینا تبرع کہلاتا ہے (معجم لغۃ الفقہاء، حرف التاء/ص/ ۲۶۶)۔ عقد تبرع ایسا عقد ہے، جس میں عاقد (عقد کرنے والا) اپنے لئے، اس عقد کے مقابلے میں کسی شے کا مستحق نہیں ہوتا اور کوئی دوسرا اس کا مستحق اس وقت ہوگا، جب عاقد اس کو نافذ کرے، راہن پر رہن رکھنا لازمی نہیں ہے، کیوں کہ راہن، رہن کے مقابلے میں مرتہن پر کسی چیز کا استحقاق (Right) حاصل نہیں کرتا، اسی تبرع (نیکی) کی وجہ سے اس پر جبر نہیں کیا جا سکتا اور وصیت کی طرح اس کو نافذ کرنا ضروری ہے، یعنی جب تک وصیت نافذ نہ ہو اس وقت تک موصیٰ لہ (جس کے حق میں وصیت کی جائے) کے لئے کوئی استحقاق (Right) نہیں ہے، اسی طرح عقد رہن سے، راہن کو مرتہن پر کوئی استحقاق (Right) نہیں ہوتا۔ (عین الھدایۃ، سید امیر علی ملیح آبادی، ۴/ ۴۵۰، ط/ بدون تاریخ، ادارہ نشریات اسلام، قذافی مارکیٹ، اردو بازار، لاہور)۔

(۲) الھدایۃ، الامام، ابوالحسن، برھان الدین علی بن ابی بکر، المرغینانی (م ۵۱۱ھ۔۵۹۳ھ) کتاب الرھن (حاشیہ) ۲/ ۵۱۳، ط/ ۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۵م، وزارۃ التعلیم الفید رالیۃ، باسلام آباد۔ اشرف الھدایۃ، کتاب الرھن، ۱۴/ ۱۴۵۔

(۳) جس طرح ہبہ اور صدقہ لازم نہیں ہوتا (عین الھدایۃ، کتاب الرھن، ۴/ ۴۵۰)۔ (شرح مجلّہ للا تاسی، مترجمہ، مفتی امجد العلی، دفعہ /۳/ص/ ۱۵۔۱۶، اشاعت/ اول، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶م، ادارہ تحقیقات اسلامی الجامعۃ الاسلامیۃ العالمیۃ اسلام آباد پاکستان۔

(۴) بدائع الصنائع (اردو)، ابوبکر بن مسعود، الکاسانی (م ۵۸۷ھ) کتاب الرھن، ۶/ ۳۲۸، ط/ اول، ۱۹۹۱م، دیال سنگھ لائبریری، نسبت روڈ، لاہور۔

(۵) مالی معاملات پر غرر کے اثرات، ڈاکٹر اعجاز احمد صمدانی، ص/ ۲۴۹، ط/ ۲۰۰۷ء، ادارۃ المعارف کراچی ۱۴، پاکستان۔

عقد رہن میں ایجاب وقبول:

مذکورہ تصریحات سے احناف کی رائے واضح ہوتی ہے کہ رہن ایجاب وقبول سے منعقد ہوتا ہے، مگر لازم نہیں ہوتا۔(۱)

مالکیہ کی رائے میں عقد رہن ایجاب وقبول سے صحیح ہوتا ہے۔(۲) امام مالک کے نزدیک نفس عقد سے قبضہ کے بغیر بات محض چیت سے رہن لازم ہو جاتا ہے۔(۳) رہن عقد مضبوطی کا عقد ہے، اور کفالت کے مشابہ ہونے (۴) کی وجہ سے اس میں قبضہ ء مرہون کی ضرورت نہیں۔(۵) اس لئے کہ رہن دونوں جانب سے مالی معاملہ ہے، جو اپنی اصلیت کے اعتبار سے معاملہ بیع کی طرح ہے، جو قبضے کے بغیر محض ایجاب وقبول سے لازم ومنعقد ہو جاتی ہے(۶) کیوں کہ اس میں ایک طرف مبیع اور دوسری طرف ثمن ہوتا ہے اسی طرح رہن میں ایک طرف قرضہ اور دوسری طرف مال مرہون ہوتا ہے(۷) لہٰذا یہ بھی قبضہ کے بغیر لازم ہو جائے گا۔(۸)

احناف کی رائے میں عقد رہن کو عقد بیع پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، کیوں کہ بائع عقد بیع کے ذریعے مشتری پر استحقاق حاصل کرتا ہے، اسی لئے اس معاملے میں صرف بائع کو مکمل اختیار حاصل نہیں ہوتا، بلکہ دوسرا فریق یعنی مشتری عقد بیع سے متاثر ہوتا ہے، اس لئے اس کو بھی مناسب اختیار حاصل ہوتا ہے۔(۹)

شافعیہ کی رائے ہے کہ رہن میں ایجاب وقبول ضروری ہیں، ان دونوں کے بغیر رہن صحیح نہیں ہوتا، کیوں کہ رہن، بیع کی طرح عقد مالی ہے، جو کہ ایجاب وقبول کا محتاج ہوتا ہے......اور ایجاب وقبول کی صورت کی مثال یوں ہے، جیسے کوئی شخص کہے کہ دس درہم قرض دے، میں تجھے یہ کپڑا رہن کے طور پر دوں گا اور وہ اسے دس درہم دے اور پھر اس کے کپڑے پر قبضہ کر لے۔(۱۰)

---

(۱) نور الہدایۃ ترجمہ اردو شرح وقایہ، کتاب الرھن، ۴/۹۴۹، ط/۱۹۵۵ء، ملک سراج الدین اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور، پاکستان۔

(۲) بدایۃ المجتہد، کتاب الرھون، ۱/۲۴۵۔

(۳) جواھر العقود، کتاب الرھن، ۱/۱۵۲۔ بدایۃ المجتہد، کتاب الرھون، ۱/۲۴۵۔ البحر المحیط، ابن حیان الاندلسی، ۲/۳۵۵۔ لازم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایجاب وقبول کے بعد راہن کو مال مرہون میں تصرف کا حق حاصل نہیں رہتا (بدایۃ المجتہد، کتاب الرھون، ۱/۲۴۵)۔

(۴) الہدایۃ اخرین، کتاب الرھن، ۲/۵۱۳۔

(۵) عین الہدایۃ، کتاب الرھن، ۴/۴۵۰۔

(۶) بدایۃ المجتہد، کتاب الرھون، ۱/۲۴۵۔

(۷) عین الہدایۃ، کتاب الرھن، ۴/۴۵۰۔

(۸) بدایۃ المجتہد، کتاب الرھون، ۱/۲۴۵۔

(۹) الھدایۃ اخرین، کتاب الرھن (حاشیۃ)، ۲/۵۱۳۔

(۱۰) مغنی المحتاج، کتاب الرھن، ۲/۱۲۱۔

رہن میں قبضہ کا شرط ہونا:

امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمد اور ظاہریہ وغیرہ جمہور فقہاء کی رائے میں، رہن کے صحیح ہونے میں قبضہ شرط ہے اور رہن قبضہ سے ہی لازم ہوتا ہے (۱) اس پر فقہاء کا اجماع ہے۔(۲)

فقہاء احناف نے قبضہ کے شرط ہونے پر عقلی دلائل دیتے ہوئے کہا:

(۱) راہن پر جبر جائز نہیں کہ وہ رہن ہی رکھے۔

(۲) راہن کو رہن کے بدلے میں مرتہن سے کوئی شے حاصل نہیں ہوتی، لہٰذا رہن کا نفاذ ضروری ہے، تاکہ مرتہن کا استحقاق ثابت ہو سکے۔(۳)

مالکیہ کی رائے ایجاب وقبول کے لئے قبضہ شرط نہیں ہے، بلکہ عقد کے مکمل ہونے کے لئے قبضہ شرط ہے۔(۴)

حاصل یہ ہے کہ رہن میں قبضہ شرط ہے، اس کے بغیر رہن مکمل نہیں ہوگا خواہ وہ حکمی قبضہ ہی کیوں نہ ہو۔

(۲) عقد رہن کی عقد بیع سے مماثلت: عقد رہن اس اعتبار سے عقد معاوضہ ہے، کہ اگر قرض دار قرض ادا نہ کرے یا کر سکے تو قرض خواہ کو یہ حق حاصل ہوتا ہے، کہ وہ اسے بیچ کر اپنا قرضہ وصول کر لے، عقد معاوضہ میں غرر (uncertainty) آجانے سے یہ ناجائز ہو جاتا ہے اور رہن عقد معاوضہ کے مشابہ ہے کیوں کہ:

(۱) راہن (Mortgagor) بلاعوض رہن نہیں رکھواتا، بلکہ وہ رہن کے بدلے میں دوسرے فریق سے قرضہ لیتا ہے۔

(۲) مرتہن (Mortgagee) اس سے (بلا اجازت) انتفاع نہیں کر سکتا، بلکہ اپنے قرضہ کی وصول یابی تک اس کو روکے رکھے گا، اور قرضہ کے وصول ہونے کے فوراً بعد رہن کو اس کے اصل مالک کو واپس کر دے گا (۵) اس میں چند شرائط کی پابندی ضروری ہے:

(۱) جن شرائط کا مبیع میں پایا جانا ضروری ہے، وہ تمام شرائط شے مرہون کے اندر بھی پائی جائیں گی۔

(۲) اس کی مستقبل کی طرف اضاف نہیں کی جا سکتی اور نہ ہی اسے کسی شرط وغیرہ کے ساتھ معلق کیا جا سکتا ہے۔

(۳) عقود معاوضات محض ایجاب وقبول سے مکمل ہو جاتے ہیں، جبکہ عقود تبرعات کے لئے ایجاب وقبول کے علاوہ قبضہ بھی شرط ہے، چوں کہ رہن عقد تبرع سے مشابہت رکھتا ہے، اس وجہ سے اس عقد میں رہن کا مرتہن کے قبضہ میں آنا ضروری ہے، خواہ وہ قبضہ حقیقی ہو یا حکمی ہو۔(۶)

رہن السائل کے علاوہ مرابحہ اور قسطوں پر بیع میں رہن کو بطور گارنٹی لیا جاتا ہے، اس حوالے سے اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے:

(۱) جواھر العقود، کتاب الرھن، ۱/۱۵۲۔ بدایۃ المجتھد، کتاب الرھون، ۱/۲۴۵۔ البحر المحیط، ابن حیان الاندلسی، ۲/۳۵۵۔

(۲) موسوعۃ الاجماع، مادہ/رہن/۲/۹۷۔۴۹۸۔

(۳) اشرف الھدایۃ، جمیل احمد، سکروڈوی، کتاب الرھن، ۱۴/۱۴۶، ط/بدون تاریخ، مکتبۃ امدایۃ، ٹی بی ہسپتال روڈ، ملتان، پاکستان۔

(۴) بدایۃ المجتھد، کتاب الرھون، ۱/۲۴۵۔

(۵) اسلامی بینکاری اور غرر، ڈاکٹر، اعجاز احمد، صمدانی ص/۹۲، ط/۱۴۲۷ھ۔۲۰۰۶ء، ادارہ اسلامیات، موہن روڈ، چوک اردو بازار، کراچی۔

(۶) اسلامی بینکاری اور غرر، ص/۹۲۔

مرابحہ میں رہن کی حیثیت:

مرابحہ بیع (Sale) کی ایک قسم ہے جس میں فروخت کنندہ (Seller) اپنی چیز دوسرے کو بیچتے وقت یہ بتاتا ہے کہ یہ چیز اسے کتنے میں پڑی ہے اور وہ اس پر کتنا نفع (Profit) لے رہا ہے...... مرابحہ ایک خرید وفروخت کا عقد ہے...... عصر حاضر میں اس کو اسلامی بینکاری میں چند شرائط کے ساتھ بطور طریقہ تمویل (Mode of Finance) استعمال کیا جاتا ہے۔(۱)

بینک کی طرف سے جاری کردہ مخصوص فارم (Quotation) میں بینک کے ذریعے فروخت کی جانے والی اشیاء کی نوعیت ان کی کیفیت (Quality) اور دوسری ضروری صفات واضح طور پر ذکر کی گئی ہوں تاکہ جہالت اور ابہام کی وجہ سے معاملہ کے ہر دو فریق کے درمیان کسی نزاع کا امکان باقی نہ رہے، نیز اس کی قیمت خرید یا لاگت پر بینک کو ملنے والے نفع (قیمت) اس کی ادائیگی کی مدت اور اقساط کی صراحت کردی گئی ہو یہ بات درست نہیں کہ معاملہ کرتے وقت یہ کہا جائے کہ اگر نقد خریدا جائے تو یہ قیمت ہوگی اور ادھار خریدا جائے تو دوسری قیمت یا ادھار کی مدت کے کم یا زیادہ ہونے پر قیمت کی کمی اور زیادتی کا ذکر معاملہ کرتے وقت کیا جائے، بلکہ بینک خریدار کو مطلوبہ سامان کا نمونہ دکھا کر وضاحت کرے کہ اس کی قیمت اتنی مدت میں اتنی قسطوں میں ادا کرنی ہوگی اور بینک کو اس کی لاگت پر اتنا منافع دینا ہوگا (اور یہی بینک سے خریداری کی قیمت ہوگی)۔(۲)

مرابحہ کی عملی صورت یہ ہے کہ جب کسی شخص کو سامان خریدنے کے لئے رقم کی ضرورت ہو اور اسلامی بینک اس کو بازار سے وہ شے خرید کردے یا اسے مطلوبہ شے خریدنے کے لئے اپنا وکیل بنائے اور یہ شخص مطلوبہ شے خرید کر اس پر قبضہ کرلے گا تو بینک مرابحہ کے طریقہ پر اسے وہ چیز بیچ دے گا کہ یہ شے اتنے میں پڑی ہے اور اس پر اتنا نفع رکھ کر میں آپ کو بیچ رہا ہوں کلائنٹ اس کی قیمت یکمشت یا قسطوں میں دے گا۔(۳)

مرابحہ میں مطلوبہ سامان کلائنٹ کی ملکیت میں چلا جاتا ہے اور اس سامان کی قیمت کلائنٹ کے ذمہ قرض ہوجاتی ہے، عقد مرابحہ میں عدم ادائیگی کا رسک پیدا ہوجاتا ہے۔(۴)

جس کا حل بینکوں میں یہ نکالا گیا ہے، کہ کلائنٹ سے سامان کی قیمت (جو کہ اس پر قرض ہے) کے عوض کوئی شے بطور رہن لے لی جاتی ہے، تاکہ عدم ادائیگی کی صورت میں بینک اس شے مرہون کو فروخت کرکے اپنا قرضہ وصول کرلے۔

---

(۱) اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ کا طریقہ کار، ڈاکٹر، اعجاز احمد، صمدانی، ص/۲۱، ط/۱۴۲۷ھ۔ دسمبر ۲۰۰۶ء ادارہ اسلامیات، موہن روڈ، چوک اردو بازار، کراچی۔

(۲) اہم فقہی فیصلے، ترتیب وپیشکش، مجاہد الاسلام قاسمی، ص/ ۲۶۔۲۷، ط/ دوم نومبر ۱۹۹۹م، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، ڈی/ ۴۳۷، ایسٹ لسبیلہ، کراتشی، پاکستان۔

(۳) اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ کا طریقہ کار، ص/ ۲۱۔

(۴) اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ کا طریقہ کار، ص/ ۵۹۔

مرابحہ میں رہن کی گارنٹی: البرکہ گروپ آف بنکرز اینڈکمپنیز نے ۱۴۰۳ھ تا ۱۴۱۰ھ کے دوران متعدد سیمینار منعقد کروائے جن میں فقہاءاور ماہرین اقتصادیات نے بینکاری کے عملی معاملات، کاروبار کے اسلامی طریقوں اوران کے عملی نفاذ میں پائی جانے والی مشکلات کا جائزہ لیا اور فتووں کی صورت میں رہنمائی فراہم کی، چنانچہ پہلے البرکہ سیمینار کے فتوی نمبر۹ میں ہے کہ جس طرح ادھار پر گارنٹی لینا جائز ہے اسی طرح بیع مرابحہ میں گارنٹی (Guarantee) لینا بھی جائز ہے۔(۱)

بنابریں مرابحہ میں رہن کے ذریعے گارنٹی مہیا کی جاسکتی ہے، گارنٹی کے اس سامان (رہن) پر قبضہ کی دوصورتیں ہیں:

[۱] رہن بالقبض (Pledge with Possession):

رہن بالقبض میں عملا کوئی شے بینک کے قبضہ میں دی جاتی ہے اور بینک اس کو اپنی حفاظت کی جگہ میں رکھ لیتا ہے اور جب کلائنٹ قرض کی ادائیگی کر لیتا ہے تو یہ سامان اس کو یکمشت واپس کر دیا جاتا ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ کلائنٹ جتنی رقم ادا کرتا جائے اتنا مال چھڑاتا جائے۔(۲)

[۲] رہن حکمی (Regestered Pledge):

رہن حکمی سے مراد یہ ہے کہ کلائنٹ جو شے رہن رکھوا رہا ہے، وہ تو اسی کے پاس رہے، البتہ اس کے کاغذات بینک کے حوالے کر دیئے جائیں، جس کی وجہ سے کلائنٹ بینک کو ادائیگی کیے بغیر اپنا سامان واپس نہیں لے سکتا یا بیچ سکتا، رہن حکمی میں چیز کی ملکیت منتقل نہیں ہوتی، بلکہ بدستور کلائنٹ ہی شے مرہون کا مالک رہتا ہے اور اگر رہن بالقبض ہو تو اس کی حفاظت کرنا بینک کے ذمہ ہے، لیکن بینک حفاظت کے اخراجات جیسے گودام کا کرایہ محافظ کی تنخواہ وغیرہ کلائنٹ سے نہیں لے سکتا، البتہ مرابحہ کے وقت ان اخراجات کا عمومی اندازہ لگا کر نفع کی شرح میں اضافہ کرنے کی گنجائش ہے۔(۳)

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے میں غیر منقولہ اشیاء کا قبضہ عرف پر مبنی ہوتا ہے عرف میں جس عمل کو قبضہ تصور کیا جائے اس سے قبضہ متحقق ہو جاتا ہے (۴) اس عہد میں بینکوں کا رہن السائل کے حوالے سے عرف یہ ہے کہ وہ دستاویز پر قبضہ کو رہن پر قبضہ تصور کرتے ہیں۔

فقہاء احناف کی رائے میں رہن کا دائمی طور پر قبضہ میں رہنا ضروری ہے اس کے باجود احناف رہن کو عاریتاً دینے کے قائل ہیں، اس کا مطلب ہے کہ دائمی طور پر قبضہ میں رہنے سے ان کی یہ مراد نہیں ہے کہ شے مرہونہ حسی طور پر بالفعل مرتہن کے قبضہ میں رہے،

---

(۱) جدید اقتصادی مسائل شریعت کی نظر میں، ص/۵۹، ط/دوم، دسمبر۱۹۹۷ء، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد۔

(۲) اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ کا طریقہ کار، ص/۶۱۔

(۳) نفس المرجع السابق۔

(۴) غرر کی صورتیں، ڈاکٹر اعجاز احمد صمدانی، ص/۳۶۳، ط/۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷م، ادارۃ المعارف کراچی۔

بلکہ ان کی رائے دائمی قبضہ کا مطلب ہے کہ مرتہن کو شے مرہونہ پر قبضہ کا دائمی حق ہے، اور وہ جب چاہے شے مرہونہ پر قبضہ کر کے اپنا حق واپس لے سکتا ہے، اس حوالے سے امام سرخسی نے المبسوط میں لکھا ہے: ''ولسنا نعین وجود ید المرتھن حینا وانما نعنی استحقاق دوام الید وبالاعارۃ من الراھن أو الغصب لاینعدم الاستحقاق''۔(۱)

رہن بالقبض ہو یا رہن حکمی ہو، رہن کا مالک راہن ہی رہتا ہے، لہٰذا اگر شے مرہون کے کاغذات مرتہن کے پاس رکھوا دیئے جائیں، تو یہ حکمی قبضہ کی ایک صورت ہوگی۔ جس طرح رہن سائل (Mortgage Floating) میں کلائنٹ مرہونہ چیز مثلاً مشنری یا گاڑی وغیرہ کے صرف کاغذات بینک کے پاس رکھوا دیتا ہے، یہ شرعاً جائز ہے اسے چارج (Charge) پیدا (Creat) کر لینا کہتے ہیں۔(۲)

دستاویز کی اہمیت مسلمہ ہے، مگر جس جگہ کاتب اور سامان کتابت وغیرہ دستیاب نہ ہو وہاں پر رہن کو قبضہ میں دینے کا حکم ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے، ''کہ اگر تم سفر پر ہو اور کاتب نہ پاؤ تو رہن کو قبضہ میں دو''، آیت کا مستفاد یہ ہے کہ کتابت اور رہن دونوں توثیق کے لئے ہیں، اور اولیت کتابت کو اور ثانویت رہن کو حاصل ہے اور رہن کو دستاویز کے متبادل کے طور پر رکھا گیا ہے، کیوں کہ کتابت میں جو آسانی اور سہولت مقرض (قرض دینے والا) اور مقترض (قرض لینے والا) کو حاصل ہے وہ رہن میں نہیں ہے، اب اگر وہ کتابت کے ذریعے معاہدہ دین [Debt] پر راضی ہوں تو درست ہے، یقیناً دستاویز میں دین کی ادائیگی سے متعلقہ امور درج کئے جاتے ہیں اور اگر مقترض (قرض لینے والا) دین [Debt] کی ادائیگی کو اپنی کسی قیمتی شے کے ساتھ خاص کر سکتا ہے، اس صورت میں دین اس شے میں سے ادا کیا جائے گا۔

قسطوں پر خرید و فروخت (۳) میں مبیع کو بطور رہن روکنا:

عہد حاضر کی تجارتی و کاروباری دنیا میں قسطوں پر خرید و فروخت کا کاروبار عروج پر ہے جس کا بنیادی سبب لوگوں کی ضروریات کا بڑھنا اور قوت خرید کا کم ہونا ہے، سیکڑوں نجی و سرکاری ادارے اور کمپنیاں معرض وجود میں آ گئی ہیں جو مکانات، مشینری

(۱) المبسوط للامام السرخسی، کتاب الرھن، ۲۱/۷۰، ط/ الثالثۃ بدون تاریخ، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر بیروت لبنان۔

(۲) اسلامی بینکاری اور غرر ص/۹۳۔

(۳) قسطوں پر بیع یہ ہے کہ بائع اپنا سامان خریدار کو بیع کے وقت دے دے، لیکن خریدار اس شے کی قیمت اسی وقت ادا نہ کرے بلکہ طے شدہ اقساط میں ادا کرے، اس کو بیع بالتقسیط کہتے ہیں (جدید معاملات کے شرعی احکام، مفتی احسان اللہ شائق، ۱/ ۸۸، ط/فروری، ۲۰۰۷ء، دار الاشاعت، اردو بازار، ایم اے جناح روڈ، کراچی، پاکستان)۔

بیع بالتقسیط نقد بیع کے مقابلے میں ادھار پر بیع ہے اس وجہ سے عموماً اس بیع میں شے کی قیمت بازار کی قیمت سے زیادہ مقرر کی جاتی ہے، اس میں عاقدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ جب وہ عقد کر کے اٹھیں تو کسی ایک قیمت پر متفق ہوں اور اس کے عقد کے وقت مقرر کردہ قیمت سے زائد وصول کرنا بائع کے لئے جائز نہیں ہوگا۔ (فقہی مقالات، مفتی محمد تقی العثمانی، ۱/ ۸۷، ط/۱۹۹۴ م میمن اسلامک پبلشرز ۱۸۸/ ۱۔ لیاقت آباد کراچی ۱۹)۔ ادھار فروخت کرنے کی صورت میں نقد فروخت کے مقابلے میں (مزید صفحہ آئندہ پر ملاحظہ ہو)

اورکاروبارزندگی کی دیگراشیاء اوران کی سروسز وغیرہ قسطوں پر مہیا کرتی ہیں ،فقہاء کرام نے چند شرائط کے ساتھ قسطوں پرخریدوفروخت کو جائز قرار دیا ہے۔(۱) دیگر کاروباروں کی طرح قسطوں پرخریدوفروخت میں ضمانت (Guarantee) کی ضرورت پیش آتی ہے،اس لئے وہ اپنے گاہکوں سے ضمانت یا سند ضمانت مانگتے ہیں۔

(بقیہ) قیمت زیادہ مقرر کرنا جائز ہے بشرطیکہ عاقدین عقد کے وقت ہی بیع مؤجل ہونے یا نہ ہونے کے متعلق قطعی فیصلہ کرلیں اور کسی ایک ثمن پر متفق ہوجائیں اگروہ کسی بھاؤ پر اتفاق کئے بغیر جدا ہوگئے تو بیع ناجائز ہوگی (نفس المرجع)۔

متاخرین فقہاء کی رائے میں یہ "بیعان فی بیعه" ہے۔(جدید اقتصادی مسائل شریعت کی نظر میں ،چھٹا البرکہ سیمینار فتوی نمبر۲۴،ص/ ۲۲)۔جس سے منع کیا گیا،حدیث شریف میں ابوھریرہ سے منقول ہے:" قال نهیٰ رسول ﷺ عن بیعتین فی بیعة " (جامع ترمذی،ابوعیسی محمد بن عیسی الترمذی (م ۳۹۸ھ) ۱/ ۱۴۷،ط/ داراحیاء التراث العربی بیروت لبنان)۔یعنی حضور ﷺ نے ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع فرمایا ہے۔

" بیعان فی بیعه" کی تفسیری مثال یہ ہے کہ کوئی شخص کہے کہ میں تمہیں یہ چیز حال میں ایک سو روپے کی اور مستقبل میں (مؤجل کے طور پر) ایک سو پچاس میں فروخت کرتا ہوں اور خریدنے والے کے تعین کے بغیر (کہ کون سی صورت قبول کرے گا) دونوں (خریدار اور فروختکار) علیحدہ ہوجائیں تو یہ جائز نہیں ہے۔(جدید اقتصادی مسائل شریعت کی نظر میں،چھٹا البرکہ سیمینار فتوی نمبر۲۴ ص/۲۲)۔

متاخرین فقہاء کے بقول ثمن کی یہ زیادتی مدت کے عوض ہے اور جو ثمن مدت کے عوض میں دیا جائے وہ سود یا کم ازکم مشابہ ضرور ہوتا ہے (نیل الاوطار،محمد بن علی بن محمد الشوکانی (م ۱۲۵۰ھ)،۵/ ۱۷۲، ط/ ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ م،شرکۃ ومطبعۃ مصطفی البابی الحلبی)

امام ترمذی نے بیع کے ناجائز ہونے کی علت یہ بیان کی ہے کہ عقد کے وقت کسی ایک صورت کو معین نہ کرنے سے ثمن دو حالتوں میں کے درمیان ہوکر رہ جائے گا اور ثمن کا دو حالتوں میں رہنا جہالت ثمن کو لازم بنانے والا ہے،جس کی بنا پر بیع ناجائز ہے (ترمذی،کتاب البیوع،باب/ ۱۸، رقم حدیث/ ۱۲۳۱)۔یہی جمہور کا مسلک ہے (المبسوط،امام شمس الدین السرخسی ،۱۲/ ۸،ط/ الثالثة ،بدون تاریخ، دارالمعرفة للطباعة والنشر بیروت لبنان۔مغنی المحتاج،کتاب الرھن،۲/ ۳۱۔حاشیة الدسوقی علی الشرح الکبیر للدردیر،الشیخ محمد بن احمد بن عرفۃ الدسوقی المالکی (م ۱۲۳۰ھ)،۳/ ۵۸،ط/ الاولی ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۶ م،دارالکتب العلمیة بیروت،لبنان)۔

(۱) مجمع فقہ اسلامی ہند کے فقہاء کے بورڈ کی سفارشات کی روشنی میں قسطوں پرخریدوفروخت کے چند احکام درج ذیل نکات پر مشتمل ہیں:

(۱) ادھار بیع میں نقد کے مقابلے میں قیمت زیادہ مقرر کرنا جائز ہے،بشرطیکہ عاقدین نے عقد کے وقت سے ہی بیع کے مؤجل ہونے کا قطعی فیصلہ کرلیا ہو اور وہ کسی ایک ثمن پر متفق ہوگئے ہوں،اگر وہ کسی بھاؤ پر اتفاق کئے بغیر جدا ہوئے،تو بیع ناجائز ہوگی۔

(۲) ادھار میں قیمت یکمشت دی جائے یا قسطوں میں دونوں صورتیں جائز ہیں۔

(۳) معینہ مدت میں قسط ادا نہ کرنے کی صورت میں مزید کسی طرح کی زیادتی کا مطالبہ کرنا سود ہے،خواہ معاملہ کے وقت اس طرح کی شرط لگائی جائے یا بعد میں اس طرح کا مطالبہ کیا جائے۔

(۴) جس شخص نے بطور رہن کوئی سامان اپنے پاس رکھا ہو،اس کا رہن شدہ سامان سے نفع اٹھانا سود ہے۔

(۵) قسطوں پرخریدوفروخت میں اگر فریقین طے کریں کہ خرید کردہ سامان بطور رہن فروخت کنندہ کے قبضہ میں رہے گا جب تک کہ جملہ اقساط ادا نہ ہوجائیں،تو جائز ہے۔

(بقیہ آئندہ صفحہ پر ملاحظہ کریں)

بیع مؤجل میں حبس مبیع کی صورتیں: قسطوں پر خرید وفروخت بیع مؤجل ہے، اس میں مبیع کو محبوس کرنے کی دو صورتیں بیان کی ہیں:

(۱) مبیع کا حبس بطور وصولیابی ثمن

(۲) مبیع کا حبس بطور رہن

(۳) مبیع کا حبس بطور وصولیابی ثمن: بیع مؤجل میں ثمن کے حاصل کرنے کے لئے مبیع کو روکنا درست نہیں ہے، فتاوی عالمگیری میں مؤجل بیع کے حوالے سے منقول ہے: ''وان کان مؤجلا فلیس للبائع ان یحبس المبیع قبل حلول الاجل ولا بعده''(۱)

اگر بیع مؤجل ہو تو بائع کے لئے جائز نہیں کہ وہ مبیع کو روکے، بائع قرض کی مدت آنے سے پہلے اور نہ ہی بعد میں مبیع کو روک سکتا ہے۔

بیع مؤجل میں بیع جب مکمل ہو جائے، اور مشتری مبیع پر قبضہ کرلے، تو ثمن مشتری کے ذمہ دین[Debt] ہو جائے گا، لہٰذا بائع دین[Debt] کی وصولیابی کے لئے، مشتری سے کسی توثیق کا مطالبہ کرسکتا ہے، بیع مؤجل میں، قبضہ سے پہلے مبیع کو بائع کے پاس چھوڑنا درست نہیں، کیوں کہ اس صورت میں بائع ثمن کو حاصل کرنے کے لئے مبیع کو روکنے والا ہوا، اور حصول ثمن کے لئے مبیع کو روکنا جائز نہیں ہے۔(۲)

(۲) مبیع کا حبس بطور رہن: درمختار میں ہے کہ مبیع مشتری کے قبضہ کے بعد ہی ثمن کے مقابلے میں رہن بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔(۳) اس لئے کہ مشتری کی ملکیت متعین ہو چکی ہے۔(۴)

(بقیہ) (۶) جملہ اقساط کی ادائیگی سے قبل اگر مدیون (خریدار) کی موت ہو جائے تو معاملہ علی حالہ باقی رہے گا، جیسا کہ دائن کی موت کی صورت میں باقی رہتا ہے بشرطیکہ بائع (دائن) اس پر راضی ہو۔

(۷) مبیع سامان رہن کی ہلاکت کا وہی حکم ہے، جو رہن کی ہلاکت کا حکم ہے۔(قسطوں پر خرید وفروخت کے شرعی احکام، مرتبہ، مجاہد الاسلام قاسمی، مقالہ ادھار اور بالاقساط خرید فروخت از خالد سیف اللہ، رحمانی ،ص/۱۳۔۱۴، ط/اول ۲۰۰۲م، ادارۃ القرآن، کراچی نمبر ۵، پاکستان)۔ (اہم فقہی فیصلے ص/۱۱۷۔۱۱۹)۔

(۱) الفتاوی العالمکیریۃ المعروف بالفتاویٰ الہندیۃ، تألیف، العلامۃ الشیخ نظام ،کتاب البیوع، باب الرابع فی حبس المبیع ،۳/ ۱۵، ط/ بدون تاریخ، مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ۔

(۲) فقہی مقالات ،۱/ ۸۸۔۸۹۔

(۳) ردالمختار علی الدر المختار لمتن تنویر الابصار، ابن عابدین الشامی (ت ۱۲۵۲ھ/۱۸۱۰م) ،کتاب الرھن، باب ما یجوز ارتھانہ ومالا یجوز، ۱۰/ ۱۰۹، ط/ بدون تاریخ، مکتبۃ رشیدیۃ سرکی روڈ، کوئٹہ پاکستان۔

(۴) ردالمختار علی الدر المختار، کتاب الرھن، باب ما یجوز ارتھانہ ومالا یجوز، ۱۰/ ۱۰۹۔

اگر مشتری قبضہ سے پہلے مبیع کو رہن رکھتا، تو مبیع ثمن کے مقابلے میں محبوس ہونے کی وجہ سے رہن نہ۔(۱) مشتری، خریدی ہوئی شے کو اپنے قبضہ میں لینے کے بعد اسی شے کو رہن کے طور پر بائع کے پاس رکھے، تو اکثر فقہاء کی رائے میں یہ صورت جائز ہے۔(۲)

الجامع الصغیر میں ہے:"رجل اشتری شیئا بدرهم ، فقال للبائعَ: امسِک هٰذا الثوبَ حتیٰ اعطیک الثمن، فالثوب رهن" (۳) ایک شخص نے کوئی چیز درہم کے بدلے میں خریدے پھر وہ بیچنے والے سے یہ کہے: اس کپڑے کو اپنے پاس اس وقت تک رکھ جب تک کہ میں تجھے اس کی قیمت ادا کرنہ دوں، اس صورت میں وہ کپڑا رہن ہے۔

اگر مشتری نے قبضہ کرنے سے پہلے بائع سے یہ کہا: جب تک میں ثمن ادا نہ کروں، اس وقت تک مبیع تم اپنے پاس رکھو، تو اس صورت میں اگر بائع کے پاس مبیع ہلاک ہو جائے، تو بیع فسخ ہو جائے گی۔(۴)

احناف کی رائے: بیع مؤجل میں قبضہ ءمشتری کے بعد مبیع کی ملکیت متعین ہو جائے گی، اور وہ مبیع کا مالک تصور ہوگا، جب وہ مبیع کو رہن کی صورت میں بائع کے پاس رکھے اور وہ شے بائع کی تعدی کے بغیر ہلاک ہو جائے، تو مشتری کے ضمان سے ہلاک ہوگی، اور ہلاکت کی وجہ سے بیع فسخ نہیں ہوگی، جیسا کہ ردالمختار میں ہے۔(۵)

اور ثمن بدستور مشتری کے ذمہ واجب الاداء رہے گا لیکن اگر مبیع مرہون، بائع (مرتہن) کی تعدی سے ہلاک ہوئی تو مرتہن بازاری قیمت کا ضامن [Guarantor] ہوگا، ثمن کا ضامن نہ ہوگا۔(۶)

بیع میں رہن جائز ہے لیکن اگر صلب عقد میں رہن مشروط ہو تو اس کے جواز میں اختلاف رائے ہے:

---

(۱) ردالمختار علی الدر المختار، کتاب الرھن، باب مایجوز ارتہانہ ومالا یجوز، ۱۰/۱۰۹۔

(۲) فقہی مقالات ۱/۸۸۔۸۹۔

(۳) الجامع الصغیر، الحافظ ، ابوعبداللہ، محمد بن الحسن الشیبانی (۱۳۲ھ۔۱۸۹ھ)، کتاب الرھن، ص/ ۴۸۸، ط/ بدون تاریخ، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، دی/ ۴۳۷۔ایست ۵، کراتشی، پاکستان۔

(۴) ردالمختار علی الدر المختار لمتن تنویر الابصار ، کتاب الرھن، باب مایجوز ارتہانہ ومالا یجوز، ۱۰/۱۰۹۔

(۵) احناف کی رائے میں ثمن کے مقابلے میں محبوس اور رہن کے مقابلے میں محبوس کے ضمان میں فرق ہے اور ایک ہی شے دو مختلف ضمانوں کے ساتھ مضمون نہیں ہوسکتی اس لئے کہ دو مختلف اشیاء کا ایک شے میں جمع ہونا محال ہے، قبضہ کے بعد مبیع میں مشتری کی ملکیت متعین ہو جاتی ہے، لہٰذا اس کے بعد اگر مبیع ہلاک ہو جائے، تو وہ مشتری کے ضمان سے ہلاک ہوگی اور اس ہلاکت کی وجہ سے بیع فسخ نہیں ہو گی۔(ردالمختار علی الدر المختار لمتن تنویر الابصار ، کتاب الرھن، باب مایجوز ارتہانہ ومالا یجوز، ۱۰/۱۰۹) جب ثمن کے وصول کرنے کے لئے مبیع کو محبوس کیا جائے تو اس وقت مبیع ثمن کے ساتھ مضمون ہوگی قیمت کے ساتھ مضمون نہیں ہوگی لہٰذا اگر حالت حبس میں ہلاک ہوگئی تو اس صورت میں بیع فسخ ہوگی اور بازاری قیمت کا ضمان اس پر نہیں آئے گا (فقہی مقالات، ۱/۸۸)۔

(۶) فقہی مقالات، ۱/۸۸۔

شافعیہ کی رائے میں اگر بائع اور مشتری اس شرط پر بیع کریں کہ مبیع بائع کے پاس ثمن کے عوض بطور رہن محبوس ہوگی تو یہ بیع صحیح نہیں ہے...... کیوں کہ جب انہوں نے رہن رکھنے کی شرط لگائی اس وقت مبیع مشتری کی ملکیت میں نہیں تھی اگر چہ یہ شرط لگائی گئی ہو کہ مشتری اس مبیع پر قبضہ کرنے کے بعد اسے رہن کے طور پر رکھوائے گا یا قبضہ سے پہلے رہن رکھوائے گا......ظاہر روایت میں یہ رہن درست ہے۔(۱)

اگر بیع کے عقد میں شرط نہیں لگائی گئی مگر بیع کے مکمل ہونے کے بعد اسی بائع کے پاس مبیع کو بطور رہن رکھوادیا تو اس صورت میں بیع لازم ہونے کے بعد وہ مبیع بطور رہن رکھوائی تو یہ صورت بدرجہ اولی صحیح ہے کیوں کہ جب بیع لازم ہو جائے تو مشتری بائع کے علاوہ کسی دوسرے کے پاس اس کو بطور رہن رکھوا سکتا ہے تو اس بائع کے پاس بھی رکھوا سکتا اسی طرح جب غیر ثمن کے بدلہ میں اس مبیع کو رہن رکھوا سکتا ہے تو ثمن کے بدلے میں بھی رہن رکھوا سکتا ہے، اگر لزوم بیع سے پہلے مشتری نے مبیع کو بطور رہن رکھوایا تو اس صورت میں یہ دیکھا جائے گا کہ مشتری کے لئے مبیع میں تصرف جائز ہوا تھا یا نہیں؟ لہذا جہاں اس کا تصرف جائز ہو وہاں اس کا رہن جائز ہے اور جہاں تصرف جائز نہ ہو وہاں رہن جائز نہیں ہے کیوں کہ رہن رکھوانا ایک قسم کا تصرف ہے اور اس کا حکم بیع کے مشابہ ہوگا۔(۲)

نتائج بحث:

شہادت، کسی معاملے کے متعلق قطعی اور درست خبر دینا ہے، اور خبر کا تعلق معائنہ سے ہے، یعنی دیکھے ہوئے کسی واقعے کی اطلاع دینا۔ لہذا کوئی خبر اسی وقت قطعی ہوگی، جب کسی شاہد یعنی گواہ نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو، شاید اسی وجہ سے زبانی گواہی کو "بینة" کہتے ہیں۔

اگر کسی شخص نے دیکھے بغیر محض اپنے علم، تجربہ اور دلائل وقرائن کی بنا پر معاملہ کو بیان کیا، تو یہ محض ظن وتخمین ہے، اس کو ظنی شہادت کہہ سکتے ہیں، کیوں کہ یہ علم، تجربہ اور تجزیہ کی بنا پر معرض وجود میں آئی اور علم، تجربہ اور تجزیہ کی بنا پر حاصل ہونے والی معلومات، معاون شہادت ہو سکتی ہیں، شرعی وعرفی شہادت نہیں بن سکتیں، لہذا ان کی بنا پر قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

فیصلہ اسلام کے قانون شہادت کو مدنظر رکھ کر دیا جائے گا قاضی کا معاملے کو جاننا، معاون فیصلہ ہو سکتا ہے، مگر فیصلہ کی بنیاد نہیں بن سکتا، قاضی ذاتی علم کی بنا پر ناجائز کرنے والے کو خوف دلائے گا۔

موجودہ دور میں بینکوں میں رہن السائل کی صورت مروج ہے، اس میں شے مرہونہ پر قبضہ نہیں دیا جاتا، بلکہ اس کی ملکیتی دستاویز پر قبضہ دیا جاتا ہے، بقول مفتی محمد تقی عثمانی صاحب احتمال ہے، کہ دستاویز پر قبضہ کر لینے سے رہن تمام ہو جائے، اور پھر وہ شے راہن کے پاس بطور عاریت رہے، کیوں کہ قبضہ کے شرط ہونے کی جو علت "مرتہن کو بیچ کر اپنا دین وصول کرنا" ہے اور ایگریمنٹ کے

(۱) المغنی، ابومحمد، عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ، المقدسی الحنبلی (م ۶۲۰ھ) کتاب الرھن ۴/ ۴۲۰، ط/ بدون تاریخ، مکتبۃ الریاض الحدیثیۃ بالریاض۔

(۲) المغنی، کتاب الرھن ۴/ ۴۲۷۔

تحت مرتہن کو یہ سہولت حاصل ہوتی ہے، کہ وہ ضرورت کے وقت اس کو بیچ کر اپنا دین وصول کر لے، للہذا اس بات کا احتمال ہے، کہ رہن سائل میں حسی قبضہ شرط قرار نہ دیا جائے، اس لئے کہ ان شرائط کی بنیاد پر قبضہ کا مقصد حاصل ہو رہا ہے۔

شریعت نے دائن کو مدیون کی مملوکہ شے کو قبضہ میں لینے اور دین کی وصولیابی تک مدیون یعنی راہن کو تصرف سے روکنے کا اختیار دیا ہے، لیکن اگر دائن خود اپنے مقصد کے حصول کے لئے اس سے کم پر راضی ہو جائے، اس طرح کہ عین مرہون کو راہن کے قبضہ میں رہنے دے اور مرتہن کے لئے صرف اسی شے مرہون کے ذریعہ سے اپنا دین وصول کرنے کا حق باقی رہ جائے، تو بظاہر شرعاً اس میں کوئی رکاوٹ نظر نہیں آ رہی ہے۔

اسلامی نظریاتی کونسل کی رائے میں کاغذی دستاویز پر مال کی تعریف صادق نہیں آتی، نہ اس کو مال سمجھا جاتا ہے، بلکہ یہ مال کی محض سند ہے، اس کے ذریعے سے یہ ثابت ہو جاتا ہے، کہ فلاں کے پاس اتنی مالیت ہے، بذات خود دستاویز کوئی مال نہیں ہے۔

قطع نظر اس کے کہ دستاویز پر رہن کی تعریف صادق آتی ہے یا نہیں؟ دستاویز کی اہمیت مسلمہ ہے، زمانہ قدیم میں کتابت اور سامان کتابت کا رجحان نہیں تھا جس کی وجہ سے قرض کی توثیق کے لئے رہن کو قبضہ میں دینے کا حکم دیا گیا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اگر تم سفر پر ہو اور کاتب نہ پاؤ تو رہن کو قبضہ میں دو، آیت کا مستفاد یہ ہے کہ کتابت اور رہن دونوں توثیق کے لئے ہیں، اور اولیت کتابت کو اور ثانویت رہن کو حاصل ہے اور رہن کو دستاویز قرض کے متبادل کے طور پر رکھا گیا ہے، کیوں کہ مقرض اور مستقرض (Borrower) کو کتابت میں جو آسانی اور سہولت حاصل ہے وہ رہن میں نہیں ہے، لہذا اگر فریقین کتابت کے ذریعے معاہدہ دین [Debt] پر راضی ہوں، تو جائز ہے، کیوں کہ دستاویز میں دین کی ادائیگی سے متعلقہ امور درج کئے جاتے ہیں اور مقترض (قرض لینے والا) دین [Debt] کی ادائیگی کو اپنی کسی قیمتی شے کے ساتھ خاص کر سکتا ہے، کیوں کہ یہ شرط عقد کے تقاضے کے مطابق ہوگی، اس صورت میں دین اس مختص شدہ شے میں سے ادا کیا جائے گا۔

ثانیاً: رہن پر قبضہ کا حکم استحبابی ہے، اور قبضہ میں عرف کا اعتبار کیا جائے تو اس وقت بینکوں کا عرف رہن کے متبادل دستاویز پر قبضہ کا ہے، اور دستاویز پر قبضہ مرتہن کو دین کی وصول یابی کے حق سے نہیں روکتا۔

ثالثاً: مرابحہ اور قسطوں پر بیع میں رہن کو بطور گارنٹی رکھنا درست ہے، رہن السائل کی طرح ان میں بھی رہن پر قبضہ ضروری ہے، خواہ وہ قبضہ حقیقی ہو یا حکمی ہو۔

مصادر و مراجع

- القرآن
- احکام القرآن، ابوبکر علی الرازی الجصاص (م ۳۷۰ھ)، ط/ ۱۴۰۰ھ، سہیل اکیڈمی لاہور۔
- The Islamic Law Of Evidence by Prof. Dr. Anwarullah, First Edition June,1992,Research Cell Dyal Sing Trust Library Nisbet Road Lahore, Pakistan.
- اسلامی مالیاتی طریقہ کار بلاسود بنکنگ، محمد حفیظ ارشد ملک، ط/ ۲۰۰۵ء، الحفیظ ویلفیئر ٹرسٹ رجسٹرڈ اسلام آباد۔
- اسلامی بینکاری اور غرر، ڈاکٹر، اعجاز احمد، صمدانی، ط/ ۱۴۲۷ھ۔ ۲۰۰۶ء، ادارہ اسلامیات، موہن روڈ، چوک اردو بازار، کراچی۔
- اسلامی بینکوں میں رائج مرابحہ کا طریقہ کار، ڈاکٹر، اعجاز احمد، صمدانی، ط/ ۱۴۲۷ھ/ دسمبر ۲۰۰۶ء ادارہ اسلامیات، موہن روڈ، چوک اردو بازار، کراچی۔
- الاشباہ والنظائر لابن نجیم، کتاب القضاء والشہادات، ط/ بدون تاریخ، ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراتشی۔
- اشرف الھدایۃ، جمیل احمد، سکروڈوی، کتاب الرھن، ط/ بدون تاریخ، مکتبۃ امدادیۃ، ٹی بی ہسپتال روڈ، ملتان، پاکستان۔
- انجاح الحاجۃ حاشیۃ سنن ابن ماجہ، الشیخ، عبدالغنی المجددی، الدھلوی، ط/ بدون تاریخ، ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل کراچی۔
- الام، ابوعبداللہ، محمد بن ادریس الشافعی (۱۵۰۔۲۰۴ھ)، ط/ بدون تاریخ، دار المعرفۃ بیروت لبنان۔
- اہم فقہی فیصلے، ترتیب و پیشکش، مجاہد الاسلام قاسمی، ط/ دوم نومبر ۱۹۹۹ء، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، ڈی/ ۴۳۷، ایسٹ لسبیلہ، کراتشی، پاکستان۔
- بدائع الصنائع (اردو)، ابوبکر بن مسعود، الکاسانی (م ۵۸۷ھ)، ط/ اول، ۱۹۹۱ء، دیال سنگھ لائبریری، نسبت روڈ، لاہور۔
- البحر المحیط، ابوحیان الاندلسی (۶۵۴۔۷۵۴ھ)، ط/ الثانیۃ ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء، دار الفکر۔
- بدایۃ المجتھد ونہایۃ المقتصد لابن رشد، مترجم ڈاکٹر عبیداللہ فہد فلاحی، ط/ ۲۰۰۶ء، دار التذکیر رحمٰن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور۔
- البنایۃ شرح الھدایۃ، محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن الحسین المعروف ببدرالدین العینی الحنفی (م ۸۵۵ھ/ ۱۴۵۱ء)، ط/ الاولی ۱۴۲۰ھ/ ۲۰۰۰ء، المکتبۃ الغفاریۃ، کانسی روڈ، شالدرہ کوئٹہ، پاکستان۔
- تبیان القرآن، علامہ، غلام رسول رضوی، ط/ ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء، فرید بک سٹال ۳۸ اردو بازار لاہور۔
- التفسیرات الاحمدیہ، الشیخ، ملاں احمد الجونفوری، مکتبۃ الحرم اردو بازار، لاہور، پاکستان۔
- جامع ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی (م ۳۹۸ھ)، ط/ دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان۔
- الجامع الصغیر، الحافظ، ابوعبداللہ، محمد بن الحسن الشیبانی (۱۳۲ھ۔۱۸۹ھ)، ط/ بدون تاریخ، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، ڈی/ ۴۳۷۔ ایسٹ ۵، کراتشی، پاکستان۔
- جدید معاملات کے شرعی احکام، مفتی احسان اللہ شائق، ط/ فروری، ۲۰۰۷ء، دار الاشاعت، اردو بازار، ایم اے جناح روڈ، کراچی، پاکستان۔

- جدید اقتصادی مسائل شریعت کی نظر میں، ط/ دوم، دسمبر ۱۹۹۷ء، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد۔
- جواھر العقود، للعلامہ شمس الدین محمد بن احمد المنہاجی، ط/ الاولی ۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۵م، مطبعۃ المحمدیۃ۔
- حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر للدردیر، الشیخ محمد بن احمد بن عرفۃ الدسوقی المالکی (م ۱۲۳۰ھ)، ط/ الاولی ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۶م، دار الکتب العلمیۃ بیروت، لبنان)
- رد المختار علی الدر المختار لمتن تنویر الابصار، ابن عابدین الشامی (ت ۱۲۵۲ھ/ ۱۸۱۰م)، ط/ بدون تاریخ، مکتبۃ رشیدیۃ سرکی روڈ، کوئٹہ پاکستان۔
- سنن ابن ماجہ، الامام ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی (م ۲۷۳ھ)، ط/ بدون تاریخ، ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل کراچی۔
- السنن لابی داؤد، الامام، ابوداؤد السجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ)، ط/ الاولی ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹م، دار السلام للنشر والتوزیع الریاض۔
- شرح مجلّہ للاتاسی، مترجمہ، مفتی امجد العلی،، اشاعت/ اول، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶م، ادارہ تحقیقات اسلامی الجامعۃ الاسلامیۃ العالمیۃ اسلام آباد، پاکستان۔
- شرح صحیح مسلم، علامہ غلام رسول سعیدی، ط/ ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء، فرید بک سٹال ۳۸ اردو بازار لاہور ۲۔
- شرح الکامل للنووی، مع الصحیح للمسلم، ط/ ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء، وزارۃ التعلیم الفید رالیۃ باسلام آباد۔
- شرح معانی الآثار، للامام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی (۲۳۹۔۳۲۱ھ) ط/ بدون تاریخ، المکتبۃ الحقانیۃ پاکستان۔
- صحیح البخاری، الامام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری (م ۲۵۶ھ)، ط/ ۱۴۰۵ھ۔۱۹۸۵ء، وزارۃ التعلیم الفید رالیۃ باسلام آباد۔
- الصحیح للمسلم، الامام مسلم بن حجاج القشیری، ط/ ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵م طبع علی النفقۃ وزارۃ التعلیم الفید رالیۃ باسلام آباد۔
- عین الھدایۃ، سید امیر علی ملیح آبادی، ط/ بدون تاریخ، ادارہ، نشریات اسلام، قذافی مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔
- غرر کی صورتیں، ڈاکٹر اعجاز احمد صمدانی، ط/ ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷م، ادارۃ المعارف کراچی۔
- الفتاوی العالمکیریۃ المعروف بالفتاویٰ الہندیۃ، تالیف، العلامۃ الشیخ نظام، ط/ بدون تاریخ، مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ۔
- فتح القدیر، علامہ، ابن ھمام، ط/ بدون تاریخ، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر۔
- الفقہ الاسلامی وادلتہ، الدکتور، وھبۃ الزحیلی، ط/ الثالثۃ ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۹م، دار الفکر سوریا دمشق۔
- فقہ الحدیث، ترجمہ وتشریح کتاب الدرر البھیۃ للشوکانی، مترجم حافظ عمران ایوب، لاہوری،، ط/ جولائی ۲۰۰۴م نعمانی کتب خانہ، لاہور۔
- فقہی مقالات، مفتی محمد تقی العثمانی، ط/ ۱۹۹۴م، میمن اسلامک پبلشرز ۱۸۸/ ا۔لیاقت آباد کراچی ۱۹۔
- فلسفہ شریعت اسلام، ڈاکٹر صبحی محمصانی مترجم، مولوی محمد احمد رضوی، ط/ نہم، نومبر ۱۹۹۴ء مجلس ترقی ادب، کلب روڈ لاہور۔
- قسطوں پر خرید وفروخت کے شرعی احکام، مرتبہ، مجاہد الاسلام قاسمی، ط/ اول ۲۰۰۲م، ادارۃ القرآن، کراچی نمبر ۵، پاکستان۔
- کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعۃ، الامام، عبدالرحمٰن الجزیری، ط/ الثانی ۱۹۷۸ء، شعبہ مطبوعات محکمہ اوقاف پنجاب لاہور۔
- کشف المغطاعن وجہ المؤطا (حاشیۃ المؤطا للمالک)، از مولانا اشفاق الرحمٰن الکاندھلوی، ط/ بدون تاریخ، نور محمد اصح المطابع وکارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی، پاکستان۔
- لغات القرآن، مولانا عبدالرشید نعمانی، ط/ ۱۹۹۴ء، دار الاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ اردو بازار کراچی نمبر ا۔

- اللباب فی شرح الکتاب، شیخ عبدالغنی المیدانی، ط/ قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ، کراچی، پاکستان۔
- مالی معاملات پر غرر کے اثرات، ڈاکٹر اعجاز احمد صمدانی، ط/ ۲۰۰۷ء، ادارۃ المعارف کراچی ۱۴، پاکستان۔
- المبسوط للامام السرخسی، ط/ الثالثۃ بدون تاریخ، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر بیروت لبنان۔
- المجلۃ، مادہ/ ۱۶۷۶، ص/ ۳۷۷، ط/ بدون تاریخ، نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی۔
- مختار الصحاح، امام محمد بن ابوبکر بن عبدالقادر الرازی، مترجم پروفیسر عبدالرزاق، ط/ ۲۰۰۳ء، دارالاشاعت اردو بازار ایم اے جناح روڈ کراچی پاکستان۔
- معجم لغۃ الفقہاء، الدکتور محمد رواس قلعہ جی، والدکتور، حامد، صادق قنیبی، ط/ بدون تاریخ، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، اشرف منزل، د/ ۴۳۷، کراتشی، پاکستان۔
- المغنی، ابومحمد، عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ، المقدسی الحنبلی (م ۶۲۰ھ)، ط/ دار الفکر بیروت لبنان وط/ بدون تاریخ، مکتبۃ الریاض الحدیثیۃ بالریاض۔
- مغنی المحتاج الی معرفۃ الفاظ المنہاج، شرح الشیخ محمد الشربینی الخطیب علی متن المنہاج لابی زکریا یحیٰی بن شرف النووی، ط/ الاولی، ۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹م، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان۔
- المفردات، ابوالقاسم، الحسین بن محمد، الراغب، الاصفہانی، (م ۵۰۲ھ)، ط/ بدون تاریخ، نور محمد، کارخانہ تجارت، کراچی۔
- المورد الوسیط، ڈاکٹر روحی البعلبکی، منیر البعلبکی، مترجم پروفیسر عبدالرزاق، ط/ ۲۰۰۵ء، دارالاشاعت اردو بازار کراچی۔
- موسوعۃ الاجماع فی الفقہ الاسلامی، سعدی ابوجیب، ط/ الثالثۃ، ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۹م، دار الفکر دمشق۔
- نصب الرایۃ، الامام ابومحمد، عبداللہ بن یوسف الزیلعی المتوفی (۷۶۲ھ)، ط/ دار الحدیث۔
- نور الہدایۃ ترجمہ اردو شرح وقایہ، ط/ ۱۹۵۵م، ملک سراج الدین اینڈ سنز تاجران کتب کشمیری بازار لاہور، پاکستان۔
- نیل الاوطار، محمد بن علی بن محمد الشوکانی (م ۱۲۵۰ھ)، ط/ ۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۱م، شرکۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی۔
- الہدایۃ، الامام، ابوالحسن، برہان الدین علی بن ابی بکر، المرغینانی (م ۵۱۱ھ۔۵۹۳ھ)، ط/ ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵م، وزارۃ التعلیم الفیدرالیۃ، باسلام آباد۔
- ہسٹری آف دی جیوز نیو یارک ا/ص ۶۸۔۶۹، ط/ ۱۹۵۸ء بحوالہ سود کی متبادل اساس، شیخ محمود احمد، ط/ اول، ۱۹۸۶م، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲ کلب روڈ، لاہور۔